لفظ بدعت کا اِطلاق

(اَحادیث و آثار کی روشنی میں)

تحقیق و تدوین:

محمد اَفضل قادری

مِنہاجُ القرآن پبلیکیشنز

365-ایم، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 5168514، 042-111-140-140

یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور، فون: 042-7237695

www.Minhaj.org - sales@Minhaj.org

www.MinhajBooks.com

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَآئِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

مُحَمَّدٌ سَیِّدُ الْکَوْنَیْنِ وَالثَّقَلَیْنِ

وَالْفَرِیْقَیْنِ مِنْ عُرُبٍ وَّمِنْ عَجَمِ

www.MinhajBooks.com
منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش

حکومتِ پنجاب کے نوٹیفکیشن نمبر ایس او (پی۔۱) ۴-۱-۴ / ۸۰ پی آئی وی، مؤرّخہ ۳۱ جولائی ۱۹۸۴ء؛ حکومتِ بلوچستان کی چِٹھی نمبر ۸۷-۴-۲۰ جنرل وایم ۴ / ۷۰-۹۷-۳-۷، مؤرّخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۸۷ء؛ حکومتِ شمال مغربی سرحدی صوبہ کی چِٹھی نمبر ۲۴۴۱۱-۷-۶۷ این۔۱ / اے ڈی (لائبریری)، مؤرّخہ ۲۰ اگست ۱۹۸۶ء؛ اور حکومتِ آزاد ریاست جموں وکشمیر کی چِٹھی نمبر س ت / اِنتظامیہ ۶۳-۸۰۶۱ / ۹۲، مؤرّخہ ۲ جون ۱۹۹۲ء کے تحت ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی تصنیف کردہ کتب تمام سکولز اور کالجز کی لائبریریوں کے لئے منظور شدہ ہیں۔

جملہ حقوق بحقِ تحریکِ منہاجُ القرآن محفوظ ہیں

نام کتاب	:	لفظ بدعت کا اِطلاق (اَحادیث و آثار کی روشنی میں)
تصنیف	:	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری
تحقیق و تدوین	:	محمد اَفضل قادری
زیرِ اِہتمام	:	فریدِ ملّتؒ رِیسرچ اِنسٹی ٹیوٹ Research.com.pk
مطبع	:	منہاجُ القرآن پرنٹرز، لاہور
اِشاعتِ اَوّل	:	ستمبر 2007ء
تعداد	:	1,100
قیمت پریمئر کاغذ	:	-/130 روپے

نوٹ: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تمام تصانیف اور ریکارڈڈ خطبات و لیکچرز سے حاصل ہونے والی جملہ آمدنی اُن کی طرف سے ہمیشہ کے لیے **تحریکِ منہاجُ القرآن** کے لیے وقف ہے۔

(ڈائریکٹر منہاجُ القرآن پبلی کیشنز)

sales@minhaj.org

جملہ حقوق بحقِ تحریکِ منہاجُ القرآن محفوظ ہیں

نام کتاب : لفظ بدعت کا اِطلاق (اَحادیث و آثار کی روشنی میں)

تصنیف : شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

تحقیق و تدوین : محمد اَفضل قادری

زیرِ اہتمام : فریدِ ملّتؒ رِیسرچ اِنسٹی ٹیوٹ Research.com.pk

مطبع : منہاجُ القرآن پرنٹرز، لاہور

اِشاعتِ اَوّل : ستمبر 2007ء

تعداد : 1,100

قیمت اِمپورٹڈ کاغذ : 160/- روپے

نوٹ: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تمام تصانیف اور ریکارڈڈ خطبات و لیکچرز سے حاصل ہونے والی جملہ آمدنی اُن کی طرف سے ہمیشہ کے لیے **تحریکِ منہاجُ القرآن** کے لیے وقف ہے۔

(ڈائریکٹر منہاجُ القرآن پبلی کیشنز)

sales@minhaj.org

فہرس

مشتملات	صفحہ
۞ پیش لفظ	۱۱
بابِ اوّل	
بدعت کا معنی و مفہوم	**۱۵**
بدعت کی تعریف	۱۷
وضاحت	۱۹
بدعت کا درست اِطلاق	۲۰
حدیث من أحدث في أمرنا هذا ...... سے اِستدلال	۲۰
ابنِ اَثیر جزریؒ کے نزدیک بدعت کی اِطلاقی صورت	۲۲
مغالطے کا اِزالہ	۲۴
بابِ دوم	
بدعت (اَحادیث و آثار کی روشنی میں)	**۲۷**

مشتملات	صفحہ
فصل اوّل: تصورِ بدعت اور اَحادیثِ نبوی ﷺ	۲۹
اِحداث و بدعت کا باہمی ربط	۳۱
اَحادیث میں لفظِ بدعت کے اِطلاقات	۳۳
ہر بدعت علی الاطلاق ضلالت نہیں ہوتی	۳۵
احادیث میں لفظِ اِحداث کے اِطلاقات	۴۱
فصل دوم: تصورِ بدعت اور آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم	۴۷
۱۔ جمعِ قرآن اور شیخین کا عمل	۴۹
۲۔ باجماعت نمازِ تراویح کی ابتدا	۵۲
۳۔ نمازِ جمعہ سے قبل دوسری اَذان	۵۸
۴۔ قطعِ ید کی سزا کی معطّلی	۶۱
۵۔ چور کے قطعِ ید کی بجائے مالک کو دوگنا قیمت ادا کرنے کا حکم	۶۲
۶۔ عورتوں کو مسجد میں باجماعت نماز سے روکنا	۶۴
۷۔ مانعینِ زکوٰۃ سے قتال	۶۵
۸۔ جرمِ لواطت پر جلانے کی سزا	۶۷
۹۔ کتابیہ عورت سے نکاح کی ممانعت	۶۸

مشتملات	صفحہ
۱۰۔ مؤلفۃ القلوب کی شق کی معطّلی	٦٩
۱۱۔ مفتوحہ زمینوں کی تنظیم کے بارے میں فیصلہ	۷۱
۱۲۔ تاجروں سے عشور کی وصولی	۷۲
۱۳۔ مجرم کے لیے شہر بدری کے حکم کی منسوخی	۷۴
۱۴۔ گھوڑوں اور غلاموں پر صدقہ لینے کا حکم	۷۵
۱۵۔ بیت المال سے وظیفہ کا تقرر	۷۷
فصل سوم: تصورِ بدعت اور عصری نظائر و واقعات	**۷۹**
۱۔ اسلامی حکومت کے قیام کا مسئلہ	۸۱
۲۔ پختہ مساجد کی تعمیر کا مسئلہ	۸۳
۳۔ قرآن کا ترجمہ و تفسیر	۸۴
۴۔ دینی علوم وفنون کی تدوین و تنظیم	۸۵
دین کی اصل روح کو سمجھنا ضروری ہے	۸۷
بابِ سوم	
قرونِ اُولیٰ اور اِطلاقِ بدعت	**۸۹**

صفحہ	مشتملات
۹۱	قرونِ اُولیٰ میں بدعت کا اِطلاق کن پر ہوتا تھا ؟
۹۲	ا۔ خوارج
۱۰۱	۲۔ مُرجئہ
۱۰۲	۳۔ معتزلہ
۱۰۵	۴۔ جَہُمِیَّہ
۱۰۷	۵۔ روافض و باطنیہ
۱۱۰	۶۔ قدریہ
۱۱۳	قرونِ اُولیٰ میں مستحبات پر بدعت کا اِطلاق نہیں ہوتا تھا
۱۱۹	تابعین اور تبع تابعین اپنے دور میں اہلِ بدعت سے اجتناب کرتے تھے
۱۲۹	قرونِ اولیٰ میں بدعت کا اِطلاق صرف کفریہ عقائد پر ہوتا تھا
	باب چہارُم
۱۳۳	**اِجتہاد اور تصورِ بدعت**
۱۳۵	أَجْتَهِدُ بِرَأيِي سے نئے اُمورِ حسنہ کے اِجراء پر اِستدلال
۱۳۸	اِجتہاد پر اَجر وثواب کی نوید
۱۴۰	اُمورِ حسنہ کے اِجراء پر بدعت کا اِطلاق نہیں ہوتا

صفحہ	مشتملات
۱۴۲	مثالوں سے وضاحت
۱۵۲	خلاصۂ بحث
	باب پنجم
۱۵۵	اِباحت اور تصورِ بدعت
۱۵۷	فصل اوّل: اَصلاً تمام اَشیاء مباح ہیں
۱۵۹	مُباح اُمور پر بدعت کا اِطلاق نہیں ہوتا
۱۶۰	اِباحتِ اصلی جاننے کا اُصولی قاعدہ
۱۶۴	اِسلام آسان دین ہے
۱۷۴	تصرِیح محرمات کا قرآنی فلسفہ
۱۷۸	اِباحتِ اَصلی اور مفسرین کا نقطۂ نظر
۱۷۸	۱۔ اِمام ابوبکر احمد بن علی جصاص الحنفیؒ (۳۷۰ھ)
۱۷۹	۲۔ امام محمود بن عمر الزمخشریؒ (۵۳۸ھ)
۱۸۰	۳۔ اِمام محمد بن احمد مالکی القرطبیؒ (۶۷۱ھ)
۱۸۱	۴۔ اِمام عبداللہ بن محمود بن احمد النسفیؒ (۷۱۰ھ)
۱۸۲	قابلِ افسوس پہلو

صفحہ	مشتملات
۱۸۶	فلسفہ حلال وحرام کی روشنی میں تصور بدعت
۱۸۹	**فصل دوم: کسی شے کا عدمِ ذکر دلیلِ حرمت نہیں ہے**
۱۹۱	حضور ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے کسی عمل کا ثابت نہ ہونا بدعتِ محرّمہ نہیں
۱۹۱	عدمِ ثبوتِ فعل کے حکم کا اُصولی ضابطہ
۱۹۲	نفس مسئلہ پر کتاب وسنت سے دلائل
۱۹۵	قابل توجہ نکتہ
۲۰۰	خلاصۂ بحث
۲۰۱	مآخذ و مراجع

پیش لفظ

بعض لوگ لفظِ ''بدعت'' کے مفہوم کو بہت زیادہ بے محل اور غلط انداز میں پیش کرتے ہیں۔ وہ قطع نظر اس اَمر کے کہ یہ لفظ قرآن و حدیث، آثارِ صحابہ اور اَقوالِ اَئمہ ومحدّثین میں کس معنی میں استعمال ہوا ہے، ہر بدعت (یعنی نئے کام) کو ضلالت وگم راہی اور حرام قرار دے کر اُمت کی بھاری اکثریت کو مشرک و بدعتی قرار دیتے ہیں، جس سے نہ صرف اُمت میں اِضطراب و اِنتشار پیدا ہوتا ہے بلکہ شرعی تعلیمات و اِصطلاحات بھی اِبہام وتشکیک کی گرد میں گم ہوجاتی ہیں۔

زیرِنظر کتاب میں حضرت شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مد ظلہ العالی نے قرآن وحدیث، آثارِ صحابہ اور اَقوالِ اَئمہ ومحدّثین کی روشنی میں لفظِ بدعت کے درست مفہوم اور حقیقی اطلاق کو بیان کیا ہے۔ آپ نے واضح کیا ہے کہ شریعتِ اِسلامیہ میں لفظِ بدعت کا معنی محض ضلالت وگم راہی یا حرام و مردود ہی نہیں ہے بلکہ یہ بے شمار مواقع پر مباح، جائز اور مشروع اُمور کے لیے بھی اِستعمال ہوا ہے۔ جس سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ کلامِ الٰہی، فرمانِ رسول اور محاورۂ عرب میں لفظِ بدعت اُس مفہوم میں استعمال نہیں ہوتا جس میں آج کل ایک خاص مذہبی پس منظر اور نقطۂ نظر رکھنے والے لوگ استعمال کرتے ہیں۔ یہ لوگ وہ آیاتِ مقدسہ اور اَحادیثِ مبارکہ جو کفار ومشرکین کے بارے میں نازل ہوئیں، محض اپنے خود ساختہ تصورات یا جہالت کی وجہ سے اُمتِ مسلمہ پر منطبق کرتے نظر آتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں امام بخاریؒ اپنی ''الصحیح'' کی کتاب **استتابة المرتدين والمعاندين وقتالهم** کے باب **قتل الخوارج والملحدين بعد إقامة الحجة عليهم** (ج: ۶، ص: ۲۵۳۹) سے متصل ترجمۃ الباب کے طور پر سورۂ توبہ کی آیت نمبر ۱۱۵ - وَمَا كَانَ اللهُ لِيُضِلَّ قَوْمًاۢ بَعْدَ اِذْ هَدٰهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ -

کے ذیل میں نقل کرتے ہیں:

وَ کَانَ ابْنُ عُمَرَ رضي الله عنهما يَرَاهُمْ شِرَارَ خَلْقِ اللهِ، وَ قَالَ: إِنَّهُمُ انْطَلَقُوا إِلَى آيَاتٍ نَزَلَتْ فِي الْكُفَّارِ فَجَعَلُوْهَا عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ.

’’حضرت عبد اللہ ابن عمر رضي الله عنهما انہیں (یعنی خوارج کو) بدترین مخلوق سمجھتے تھے اور فرمایا کہ اُنہوں نے جو آیتیں کفار کے حق میں نازل ہوئیں اُنہیں مسلمانوں پر چسپاں کر دیا۔‘‘

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضي الله عنهما کے اِس فرمان سے واضح ہوتا ہے کہ آیات واَحادیث اور شرعی اِصطلاحات کو بے محل اِستعمال کرنے والا ایک طبقہ اُن کے زمانے میں بھی موجود تھا جنہیں خوارج کہا جاتا تھا۔ آج اُسی خارجی فکر کے علم بردار وہ آیاتِ مقدسہ اور اَحادیثِ مبارکہ جو کفار و مشرکین کے بارے میں نازل ہوئیں اُنہیں بڑی بے باکی سے اُمتِ مسلمہ پر چسپاں کر رہے ہیں۔ یہ ایک نہایت ہی ظالمانہ اور جاہلانہ طرزِ عمل ہے۔

حضرت شیخ الاسلام نے دلائل و براہین سے ثابت کیا ہے کہ بذاتِ خود لفظِ بدعت میں کوئی نقص اور منفی معنی نہیں ہے۔ اس کے حُسن و قبح کا اِنحصار قرآن و حدیث پر ہے۔ اگر وہ شریعت میں کسی مستحسن کے تحت داخل ہے تو اس کا اِنطباق اُمورِ حسنہ پر ہوگا اور اگر وہ شریعت میں کسی ناپسندیدہ عمل کے تحت آتی ہے تو اِس کا اِطلاق اُمورِ قبیحہ (غیر پسندیدہ) پر ہوگا۔ آپ مزید فرماتے ہیں کہ ہر وہ نیا کام جس کی کوئی شرعی دلیل، شرعی اَصل، مثال یا نظیر پہلے سے کتاب وسنت اور آثارِ صحابہ میں موجود نہ ہو وہ ’’بدعت‘‘ ہے لیکن ہر بدعت غیر پسندیدہ یا ناجائز وحرام نہیں ہوتی بلکہ صرف وہی بدعت ناجائز ہوگی جو کتاب وسنت کے واضح احکامات سے متعارض و متناقض (contradictory) ہو۔ دوسرے لفظوں میں بدعتِ سیۂ یا بدعتِ ضلالہ صرف اُس عمل کو کہیں گے جو واضح طور پر کسی متعین سنت کے ترک کا باعث بنے اور جس عمل سے کوئی سنت متروک نہ ہو وہ ناجائز نہیں بلکہ مباح ہے۔ اِسی مؤقف کی تائید کرتے ہوئے معروف غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن

خان بھوپالی (۱۳۰۷ھ) ''ھدیۃ المھدی (ص: ۱۱۷)'' میں لکھتے ہیں:

البدعة الضّلالة المحرّمة هی التی ترفع السّنة مثلها و التی لا ترفع شيئا منها فليست هی من البدعة بل هی مباح الاصل.

''بدعت وہ کام ہے جس سے اس کے بدلہ میں کوئی سنت متروک ہو جائے اور جس بدعت سے کسی سنت کا ترک نہ ہو وہ بدعت نہیں ہے بلکہ وہ اپنی اصل میں مباح ہے۔''

دعا ہے کہ اللہ ﷻ ہمیں دین کا حقیقی فہم عطا فرمائے اور حکمت و دانش کے ساتھ اُمورِ دعوت و تبلیغ نبھانے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین

محمد افضل قادری

(سینئر ریسرچ اسکالر)

فریدِ ملّتؒ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

۱۴ ستمبر، ۲۰۰۷ء

بابِ اوّل

بدعت کا معنی و مفہوم

بدعت کی تعریف

وضاحت

بدعت کا درست اِطلاق

حدیث من أحدث فی أمرنا هذا ...... سے اِستدلال

ابنِ اَثیر جزریؒ کے نزدیک بدعت کی اِطلاقی صورت

مغالطے کا اِزالہ

لفظِ بدعت کے معنی و مفہوم اور اس کے درست اِطلاقات (applications) کی تفہیم کے لیے ہمیں سب سے پہلے اِس اَمر پر غور کرنا ہوگا کہ یہ لفظ کلامِ الٰہی، اَحادیثِ رسول اور عربی محاورے میں کن کن معانی میں اِستعمال ہوا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور ائمہ و محدّثین لفظِ بدعت سے کیا مراد لیتے تھے۔ کیا وہ ہر بدعت (یعنی نئے کام) کو محض اُس کے ''نئے پن'' کی وجہ سے حرام، مردود اور نامقبول قرار دیتے تھے یا اس کے ردّ و قبول کا کوئی پیمانہ اور کسوٹی تھی جس پر پرکھ کر اس کے جواز یا عدمِ جواز کا فیصلہ کیا جاتا تھا؟ ذیل میں قرآن و حدیث، آثارِ صحابہ اور اَقوالِ اَئمہ و محدّثین کی روشنی میں لفظِ بدعت کے حقیقی اِطلاق کو بیان کیا جائے گا تاکہ بدعت کے بارے میں پھیلائے گئے غلط تصورات کی اِصلاح ہو سکے۔

بدعت کی تعریف

بدعت عربی زبان کا لفظ ہے جو ''بَدَعَ'' سے مشتق ہے۔ اس کا معنی کسی سابقہ مادہ، اَصل، مثال، نمونہ یا وجود کے بغیر کوئی نئی چیز ایجاد کرنا ہے۔ دوسرے لفظوں میں کسی شے کو نیست سے ہست کرنے اور عدمِ محض سے وجود میں لانے کو عربی زبان میں ''اِبداع'' کہتے ہیں۔

امام اِبن حجر عسقلانی (المتوفی ۸۵۲ھ) بدعت اور اِحداث کا اِصطلاحی مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایسے کسی کام پر بدعت کا اِطلاق نہیں ہوگا جس کی اَصل، مثال یا نمونہ شریعت میں موجود ہو۔ وہ لکھتے ہیں:

المحدثة والمراد بها ما أُحدث وليس له اصلٌ فی الشّرع، ويسمّی فی عرف الشّرع بدعة، وما کان له أصل يدلّ عليه الشّرع فليس ببدعة، فالبدعة فی عرف الشّرع مذمومة بخلاف اللّغة: فان کلّ شیء أحدث علی غير مثال يسمی بدعة، سواء کان محمودًا أو مذمومًا۔(۱)

’’محدثہ سے مراد ایسے نئے کام کا ایجاد کرنا ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل موجود نہ ہو۔ اسی محدثہ کو اِصطلاحِ شرع میں ’’بدعت‘‘ کہتے ہیں۔ لہٰذا ایسے کسی کام کو بدعت نہیں کہا جائے گا جس کی اصل شریعت میں موجود ہو جو اس پر دلالت کرے۔ شرعی اعتبار سے بدعت فقط بدعتِ مذمومۃ کو کہتے ہیں بدعتِ لغویۃ کو نہیں۔ پس ہر وہ کام جو مثالِ سابق کے بغیر ایجاد کیا جائے اسے بدعت کہتے ہیں چاہے وہ بدعتِ محمودہ ہو یا بدعتِ مذمومہ۔‘‘

علامہ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) بدعت کی تعریف کرتے ہوئے اپنے معروف فتاویٰ ’’مجموع الفتاویٰ‘‘ میں لکھتے ہیں کہ بدعت کا اِطلاق خوارج، روافض، قدریہ اور جہمیہ جیسے گمراہ کُن عقائد پر ہوگا:

والبدعة ما خالفت الکتاب والسنة أو إجماع سلف الأمة من الاعتقادات والعبادات کأقوال الخوارج والروافض والقدرية والجَهْمِيَّة۔(۲)

’’بدعت سے مراد ایسا کام ہے جو اعتقادات و عبادات میں کتاب و سنت اور اَخیارِ امت کے اِجماع کی مخالفت کرے۔ جیسے خوارج، روافض، قدریہ اور

(۱) ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۱۳: ۲۵۳

(۲) ابن تیمیہ، مجموع الفتاویٰ، ۳: ۱۹۵

جہمیہ کے عقائد۔‘‘

وضاحت

مُتذکرہ بالا تعریفات سے یہ حقیقت مُترشّح ہو جاتی ہے کہ ہر وہ نیا کام جس کی کوئی شرعی دلیل، شرعی اصل مثال یا نظیر (precedence) پہلے سے کتاب و سنت اور آثارِ صحابہ میں موجود نہ ہو وہ ’’بدعت‘‘ ہے لیکن ہر بدعت غیر پسندیدہ یا ناجائز و حرام نہیں ہوتی بلکہ صرف وہی بدعت ناجائز ہوگی جو کتاب و سنت کے واضح احکامات سے متعارض و متناقض (contradictory) ہو۔ دوسرے لفظوں میں بدعتِ سیہ یا بدعتِ ضلالہ صرف اُس عمل کو کہیں گے جو واضح طور پر کسی متعین سنت کے ترک کا باعث بنے اور جس عمل سے کوئی سنت متروک نہ ہو وہ ناجائز نہیں بلکہ مباح ہے۔ اِسی مؤقف کی تائید کرتے ہوئے معروف غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خان بھوپالی (۱۳۰۷ھ) لکھتے ہیں کہ ہر نئے کام کو بدعت کہہ کر مطعون نہیں کیا جائے گا بلکہ بدعت صرف اس کام کو کہا جائے گا جس سے کوئی سنت متروک ہو۔ جو نیا کام کسی اَمرِ شریعت سے متناقض نہ ہو وہ بدعت نہیں بلکہ مباح اور جائز ہے۔ شیخ وحید الزماں اپنی کتاب ’’ھدیۃ المھدی‘‘ کے صفحہ نمبر ۱۱۷ پر بدعت کے حوالے سے علامہ بھوپالی کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

البدعة الضّلالة المحرّمة هی التی ترفع السّنة مثلها و التی لا ترفع شيئا منها فليست هی من البدعة بل هی مباح الاصل۔

’’بدعت وہ ہے جس سے اس کے بدلہ میں کوئی سنت متروک ہو جائے اور جس بدعت سے کسی سنت کا ترک نہ ہو وہ بدعت نہیں ہے بلکہ وہ اپنی اصل میں مباح ہے۔‘‘

رہی وہ بدعت جو مستحسن اُمور کے تحت داخل ہے اور وہ قرآن و حدیث کے کسی حکم سے ٹکراتی بھی نہیں تو وہ مشروع، مباح اور جائز ہے، اسے محض بدعت یعنی نیا کام

ہونے کی بنا پر مکروہ یا حرام قرار دینا کتاب وسنت کے ساتھ نا اِنصافی ہے۔

بدعت کا درست اِطلاق

ذیل میں اَحادیثِ مبارکہ کی روشنی میں بدعت کا درست اِطلاق بیان کیا جا رہا ہے جس سے یہ واضح ہو جائے گا کہ ''اَحادیثِ بدعت'' کا حقیقی اِطلاق (application) کن کن بدعات پر ہوتا ہے۔

من أحدث في أمرنا هذا ما ليس فيه فهو ردٌّ سے اِستدلال

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ أحْدَثَ فِي أمْرِنَا هَذا مَا لَيْسَ مِنْه فَهُوَ رَدٌّ۔[1]

''جو ہمارے اس دین میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کرے جو اس میں سے نہ ہو تو وہ مردود ہے۔''

''صحیح بخاری'' میں اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ہی مروی ہے

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الاقضية، باب نقض الأحكام الباطلة، ۳: ۱۳۴۳، رقم: ۱۷۱۸

۲۔ ابن ماجه، السنن، المقدمه، باب تعظيم حديث رسول الله ﷺ، ۱: ۷، رقم: ۱۴

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۲۷۰، رقم: ۲۶۳۷۲

۴۔ ابن حبان، الصحيح، ۱: ۲۰۷، رقم: ۲۶

۵۔ دارقطني، السنن، ۴: ۲۲۴، رقم: ۷۸

۶۔ قضاعي، مسند الشهاب، ۱: ۲۳۱، رقم: ۳۵۹

۷۔ بيهقي، السنن الكبرئ، ۱۰: ۱۱۹

کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذا مَا لَيْسَ فِيهِ فَهُوَ رَدٌّ.(۱)

''جو ہمارے اس دین میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کرے جو اس میں اصلاً نہ تھی تو وہ مردود ہے۔''

ان اَحادیث میں لفظِ ''اَحْدَثَ'' کے بعد ''مَا لَيْسَ مِنْهُ'' یا ''مَا لَيْسَ فِيْهِ'' کے الفاظ قابلِ غور ہیں۔ عرفِ عام میں ''اَحْدَثَ'' کا معنی ''دین میں کوئی چیز ایجاد کرنا'' ہے اور لفظ ''مَا لَيْسَ مِنْهُ'' اَحْدَثَ کے مفہوم کو واضح کر رہا ہے کہ ''اَحْدَثَ'' سے مراد وہ نئی چیز ہوگی جو اس دین میں نہ ہو۔ حدیث کے اس مفہوم سے ذہن میں ایک سوال اُبھرتا ہے کہ اگر ''اَحْدَثَ'' سے مراد ''دین میں کوئی بھی نئی چیز پیدا کرنا'' ہے تو جب ایک چیز نئی پیدا ہو رہی ہے تو پھر یہ کہنے کی ضرورت کیوں پیش آئی: ''مَا لَيْسَ مِنْهُ'' یا ''مَا لَيْسَ فِيْهِ''؟ کیوں کہ اگر وہ دین کا حصہ تھی تو اس کو نئی کہنے کی ضرورت ہی نہ تھی اور جس کو نئی چیز کہہ دیا تو لفظ ''اَحْدَثَ'' ذکر کر دینے کے بعد اس امر کی ضرورت نہ تھی کہ ''مَا لَيْسَ مِنْهُ'' کا اضافہ کیا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر وہ دین میں سے ہو تو نئی (مُحْدَثَه) نہ رہی اور اگر وہ نئی ہے تو ''ما ليس منه'' کہنے کی ضرورت نہیں رہتی کیونکہ نئی چیز تو کہتے ہی

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب الصلح، باب اذا اصطلحوا على صلح جور، ۲: ۹۵۹، رقم: ۲۵۵۰

۲۔ أبو داود، السنن، كتاب السنة، باب فی لزوم السنة، ۴: ۲۰۰، رقم: ۴۶۰۶

۳۔ أبو عوانه، المسند، ۴: ۱۷۱، رقم: ۶۴۰۸

۴۔ أبو يعلىٰ، المسند، ۸: ۷۰، رقم: ۴۵۹۴

۵۔ ابن جارود، المنتقى، ۱: ۲۵۱، رقم: ۱۰۰۲

۶۔ بيهقى، الاعتقاد، ۱: ۲۲۹

۷۔ ديلمى، الفردوس بمأثور الخطاب، ۳: ۵۷۹، رقم: ۵۸۱۲

اسے ہیں جو پہلے دین میں موجود نہ ہو۔ ذیل میں ’’أحدث‘‘ کے بعد ’’ما لیس منه‘‘ ذکر کرنے کی حکمت بیان کی جاتی ہے۔

أَحْدَثَ کے بعد مَا لَيْسَ مِنْهُ فرمانے میں حکمت

متذکرہ بالا حدیث پر فکر و تدبّر کرنے اور اس میں ’’أحدث‘‘ کے بعد ’’ما لیس منه‘‘ کے اِضافہ پر غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ہر نئے کام پر بدعت یعنی بدعتِ سیئہ کا اِطلاق نہیں ہوتا بلکہ بدعت صرف وہ نیا کام ہوگا کہ جس کے لئے دین میں سرے سے کوئی اصل، مثال، ذکر، معرفت یا حوالہ ہی نہ ہو اور اُسے دین میں یعنی ضروریاتِ دین، واجباتِ اسلام اور اَساسی عقائدِ شرعیہ میں یوں داخل کیا جائے کہ وہ ’’اساسیاتِ دین میں اضافہ‘‘ بن جائے۔ جس سے دینِ اسلام کے بنیادی اُصولوں میں اصلاً کمی یا بیشی واقع ہو جائے۔ یہ اِحداث دینِ اِسلام کی مخالفت اور دین میں ’’فتنہ‘‘ تصور ہوگا۔

ابنِ اَثیر جزریؒ اور امام غزالیؒ کے نزدیک بدعت کی اِطلاقی صورت

علامہ ابنِ اَثیر جزریؒ (۶۰۶ھ) لفظِ اِحداث و بدعت کی اِطلاقی صورت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وعلی هذا التاویل یحمل الحدیث الآخر کل محدثة بدعة انما یرید ما خالف اُصول الشّریعة ولم یوافق السنة۔(۱)

’’اِن دلائل کی بنا پر حدیث ’’کل محدثة بدعة‘‘ کی وضاحت یوں ہوگی کہ اِس سے مراد ہر وہ نیا کام ہوگا جو اُصولِ شریعت کے مخالف ہو اور سنت سے

(۱) ۱۔ ابن اثیر جزری، النهایة فی غریب الحدیث والأثر، ۱: ۱۰۶
۲۔ ابن منظور افریقی، لسان العرب، ۸: ۶

کوئی مطابقت نہ رکھتا ہو۔‘‘

امام غزالیؒ (۵۰۵ھ) کے نزدیک بھی جب تک یہی دو شرائط (اِحداث اور ما لیس منہ) نہ پائی جائیں کوئی نیا کام بدعتِ مذمومہ نہیں ہوسکتا۔ وہ لکھتے ہیں:

فليس كل ما أبدع منهيا بل المنهى بدعة تضاد سُنة ثابتة و ترفع أمرا من الشّرع مع بقاء علته۔[1]

’’ہر بدعت ممنوع نہیں ہوتی بلکہ ممنوع صرف وہ بدعت ہوتی ہے جو سنتِ ثابتہ سے متضاد ہو اور اس سنت کی علت کے ہوتے ہوئے اَمرِ شریعت کو اُٹھا دے۔‘‘

لیس فیہ اور لیس منہ میں فرق

ہر کام کی دو حیثیتیں (dimensions) ہوتی ہیں۔ ایک اِس کی اصل اور دوسری اس کی ہیئت۔ جیسے نماز کی اصل ذکرِ الٰہی ہے اور اس کی ہیئت مخصوص اَوقات میں خاص طریق سے عبادت کرنا ہے۔ اسی طرح روزہ کی اَصل حصولِ تقویٰ ہے مگر ایک خاص وقت سے خاص وقت تک کھانے پینے وغیرہ سے اِجتناب کرنا اسکی ہیئتِ کذائیہ ہے۔ پس ’’ما لیس فیہ‘‘ کہا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے کام کا اِضافہ کیا جسکی سرے سے شریعت میں کوئی اَصل، کوئی حوالہ، کوئی مثال، کوئی بنیاد اور کوئی جنس موجود نہ تھی اور پھر ’’ما لیس فیہ‘‘ اور ’’ما لیس منہ‘‘ میں ’’ہ‘‘ ضمیر کا مرجع ’’أمرنا ھذا‘‘ ہے۔ یعنی ایسا کام ایجاد کیا جو ضروریاتِ دین میں نہ تھا مگر اُسے دین کے واجبات اور بنیادی اُصولوں میں داخل کر دیا گیا۔ مطلب یہ ہے کہ دین کے اَساسی عقائد میں اِضافہ کر دیا یا دین کے بنیادی اُصولوں میں کوئی کمی کر دی، احکامِ دین کو توڑا یا دین کی مخالفت کر دی جس سے دینِ اِسلام کی شکل بدل جائے تو ایسے اِحداث کو فتنہ اور بدعتِ سیّئہ کہا جائے گا۔

مذکورہ حدیث (من أحدث فی أمرنا ھٰذا ما لیس منه فھو ردٌّ) کے حوالے

(۱) غزالی، إحياء العلوم، ۲: ۳

سے یہ بات پیشِ نظر رہے کہ اِسے اِمام ابن ماجہؒ نے باب تعظیم حدیث رسول اللہ ﷺ کے ذیل میں درج کیا ہے۔(۱) ہر محدِّث، حدیث کا جو مفہوم سمجھتا ہے اُسے ایک عنوان قائم کر کے اُس کے تحت لاتا ہے۔ اِمام ابن ماجہؒ کا اِس حدیث کو باب تعظیم حدیث رسول اللہ ﷺ کے تحت لانے کا مقصود یہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی طرف جھوٹ منسوب نہ کیا جائے۔ وہ ''من أحدث فی أمرنا هذا'' سے حضور ﷺ کی طرف کوئی جھوٹی حدیث منسوب کرنا مراد لے رہے ہیں یعنی اگر کسی نے کوئی آیت گھڑی اور قرآن کی طرف منسوب کر دی یا کوئی حدیث گھڑی اور حضور ﷺ کی طرف منسوب کر دی تو وہ مردود ہوگی۔

مغالطے کا ازالہ اور ''فَهُوَ رَدٌّ'' کا درست مفہوم

اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ۔(۲)

''جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا کوئی اَمر موجود نہیں تو وہ مردود ہے۔''

اس حدیث میں ''لَيْسَ عَلَيْهِ اَمْرُنَا'' سے عام طور پر یہ مراد لیا جاتا ہے کہ کوئی بھی کام (خواہ وہ نیک اور اَحسن ہی کیوں نہ ہو) مثلاً اِیصالِ ثواب، میلاد اور دیگر سماجی، روحانی اور اخلاقی اُمور، اگر اُن پر قرآن و حدیث سے کوئی نص موجود نہ ہو تو یہ بدعت اور

(۱) ابن ماجه، السنن، المقدمه، باب تعظيم حديث رسول الله، ۱: ۷، رقم: ۱۴

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، کتاب الاقضيه، باب نقض الاحکام الباطلة، ۳: ۱۳۴۳، رقم: ۱۷۱۸

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۱۸۰، رقم: ۲۵۵۱۱

۳۔ دارقطنی، السنن، ۴: ۲۲۷، رقم: ۸۱

۴۔ منذری، الترغيب والترهيب، ۱: ۴۴، رقم: ۷۷

۵۔ ابن رجب حنبلی، جامع العلوم والحکم، ۱: ۶۵

مردود ہیں۔ یہ مفہوم سراسر غلط اور مبنی بر جہالت ہے کیونکہ اگر یہ معنی لے لیا جائے کہ جس کام کے کرنے کا حکم قرآن و سنت میں نہ ہو وہ حرام ہے تو پھر شریعت کے جملہ مباحات کا کیا ہوگا کیوں کہ مباح تو کہتے ہی اسے ہیں جس کے کرنے کا شریعت میں حکم نہ ہو۔

اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی مذکورہ دونوں روایات میں ''فھو ردٌّ'' کا اطلاق نہ صرف ''ما لیس منه'' پر ہوتا ہے اور نہ ہی فقط ''أحدث'' پر بلکہ اس کا صحیح اطلاق اُس صورت میں ہوگا جہاں یہ دونوں اُمور (أحدث اور ما لیس منه) جمع ہو جائیں یعنی بدعت کا اِطلاق صرف اُسی عمل پر ہوگا جو نیا بھی ہو اور جس کی کوئی اصل، مثال یا دلیل بھی دین میں نہ ہو اور کسی جہت سے بھی وہ تعلیماتِ دین سے ثابت نہ ہو۔ پس اس وضاحت کی روشنی میں کسی بھی ''محدثه'' کے بدعت و ضلالت قرار پانے کے لئے دو شرائط کا ہونا لازمی ہے:

۱۔ دین میں اس کی سرے سے کوئی اصل، مثال یا دلیل موجود نہ ہو۔

۲۔ نہ صرف دین کے مخالف اور متضاد ہو بلکہ دین کی نفی کرے اور احکامِ سنت کو توڑے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ ہر وہ نیا کام جس کی کوئی اصل بالواسطہ یا بلا واسطہ نہ قرآن میں ہو نہ سنتِ رسول ﷺ میں اور اس کو ضروریاتِ دین (۱) میں شمار کر لیا جائے جس سے دین کی مخالفت بھی ہو، ایسی بدعت کو ''بدعت سیئه'' اور ''بدعت ضلاله'' کہتے ہیں اور حضور ﷺ کے اِرشاد - کل بدعة ضلالة - سے بھی یہی بدعت مراد ہے نہ کہ ہر نئے کام کو ''ضلالة'' کہا جائے گا۔

(۱) ضروریاتِ دین ان اُمور کو کہتے ہیں جن میں سے کسی ایک کا اِنکار کرنے سے بھی اِنسان کافر ہو جاتا ہے۔

باب دوم

بدعت
(اَحادیث و آثار کی روشنی میں)

فصل اَوّل:

تصورِ بدعت اور اَحادیثِ نبوی

فصل دوم:

تصورِ بدعت اور آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم

فصل سوم:

تصورِ بدعت اور چند عصری نظائر و واقعات

فصل اَوّل

تصورِ بدعت اور اَحادیثِ نبوی

اِحداث و بدعت کا باہمی ربط

اَحادیث میں لفظِ بدعت کے اِطلاقات

ہر بدعت علی الاطلاق ضلالت نہیں ہوتی

اَحادیث میں لفظِ اِحداث کے اِطلاقات

اِحداث و بدعت کا باہمی ربط

اَحادیثِ نبوی میں بدعت کا تصور کیا ہے؟ اس موضوع کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ تصورِ بدعت کے لئے حضور نبی اکرم ﷺ نے دو الفاظ اِستعمال فرمائے ہیں:

۱۔ اِحداث

۲۔ بدعت

سب سے پہلے یہ بنیادی بات ذہن میں رکھ لیں کہ بدعت کا مدار ''إحداث'' پر ہے۔ ارشادِ نبوی ہے:

من أحدث فی أمرنا هذا ما لیس فیه فهو ردٌّ۔(۱)

''جو ہمارے اس دین میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کرے جو اس میں اصلاً نہ تھی تو

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الصلح، باب اذا اصطلحوا علی صلح جور، ۲: ۹۵۹، رقم: ۲۵۵۰

۲۔ ابو داود، السنن، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، ۴: ۲۰۰، رقم: ۴۶۰۶

۳۔ ابو عوانه، المسند، ۴: ۱۷۱، رقم: ۶۴۰۸

۴۔ ابو یعلیٰ، المسند، ۸: ۷۰، رقم: ۴۵۹۴

۵۔ ابن جارود، المنتقی، ۱: ۲۵۱، رقم: ۱۰۰۲

۶۔ بیهقی، الاعتقاد، ۱: ۲۲۹

۷۔ دیلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۳: ۵۷۹، رقم: 5812

وہ مردود ہے۔‘‘

یعنی وہ اِحداث مردود ہوگا جو اس دین میں اصلاً نہ ہو۔ دوسری حدیثِ مبارکہ میں فرمایا:

کلّ محدثة بدعة، وکلّ بدعة ضلالة۔(۱)

’’ہر محدثہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔‘‘

اب قابلِ غور بات یہ ہے کہ لوگ حدیث کا صرف ایک ٹکڑا پکڑ کر ’’کل محدثة بدعة‘‘ کی تو رَٹ لگاتے رہتے ہیں مگر یہ محدثہ بدعت بنا کیسے؟ وہ ان کے باہمی ربط کو توڑ دیتے ہیں، اِس خلطِ مبحث کی وجہ سے غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں۔ حدیث کے الفاظ ہیں: ’’کل محدثة بدعة و کل بدعة ضلالة‘‘ یعنی ہر محدثہ بدعت ہے اور ہر بدعت ضلالہ ہے۔ اس حدیث پر غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ صرف وہ بدعت ضلالہ ہوگی جو ’’محدثه‘‘ ہوگی اور ’’محدثه‘‘ کے مفہوم کا تعین دوسری حدیث یعنی ’’من أحدث فی أمرنا هذا ما ليس فيه فهو ردٌّ‘‘ نے کر دیا کہ ’’محدثه‘‘ فقط وہ ہوگا جو نیا ہونے کے ساتھ ساتھ ’’ما ليس فيه‘‘ کی شرط پر بھی پورا اُترتا ہو۔ جب ’’إحداث‘‘ کا مفہوم واضح ہو گیا تو دوسری یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ بدعت کے لئے ’’محدثه‘‘ ہونا ضروری ہے اور جو بدعت ’’محدثه‘‘ ہوگی وہی ’’ضلالة‘‘ ہوی کیونکہ بدعت کا مدار ہی اِحداث پر ہے۔

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، ۴: ۲۰۰، رقم: ۴۶۰۷

۲۔ ترمذی، السنن، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، ۵: ۴۴، رقم: ۲۶۷۶

۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدين، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

۵۔ ابن حبان، الصحيح، ۱: ۱۷۸، رقم: ۵

یہ تفصیل اس لئے بیان کی گئی ہے کہ اگر اِن اَلفاظ کے معانی کا تعین نہ کیا جائے بلکہ صرف محدثہ اور بدعت کے لفظ کی بنیاد پر بحث و مجادلہ کا بازار گرم کر لیا جائے اور ان کے ظاہری معانی کی بنیاد پر کفر و شرک کے فتوے صادر کرنا شروع کر دیں تو دین کی تعلیمات اور اَحادیثِ نبوی میں بہت سا خلل واقع ہو جائے گا جو معنوی اِلتباس و ابہام پر منتج ہو گا۔

اَحادیث میں لفظِ بدعت کے اِطلاقات

ہمارے ہاں لفظِ شرک کی طرح اِحداث اور بدعت کی دو اِصطلاحات کو بھی ظلم کی حد تک غلط طریقے سے اِستعمال کیا جاتا ہے اور ان کی منفی تعبیرات و تشریحات سے افرادِ اُمت کو ذہنی اِفتراق و اِنتشار میں مبتلا کر دیا جاتا ہے حالاں کہ اَحادیثِ رسول اور آثارِ صحابہ کے بغور مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ لفظاً اِن اِصطلاحات میں مطلقاً کوئی خرابی اور قباحت نہیں ہے۔

ذیل میں کتبِ اَحادیث سے چند مثالیں اور واقعات ذکر کئے جاتے ہیں تاکہ نفسِ مسئلہ واضح ہو جائے اور اس بات کا اِدراک کر لیا جائے کہ بذاتِ خود اِن اَلفاظ میں کوئی نقص اور منفی معنی نہیں بلکہ اس کے برعکس محاورۂ عرب میں اِن اَلفاظ کا مثبت استعمال بھی عام تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بیشتر مقامات پر اِن اِصطلاحات کو مثبت معنی میں بھی اِستعمال فرمایا ہے جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ دورِ نبوی اور دورِ صحابہ میں بدعت ایسے کام کو بھی کہتے تھے جو اَصلاً جائز اور سنت ہوتا اور وہ ''بدعة ضلالة'' کے دائرے میں نہیں آتا تھا۔

۱۔ **امام بخاریؒ** (۲۵۶ھ) روایت کرتے ہیں کہ حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

دَخَلْتُ أَنَا وَ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ الْمَسْجِدَ، فَإِذَا عَبْدُاللهِ بْنُ عُمَرَ رضي الله عنهما جَالِسٌ إِلَی حُجْرَةِ عَائِشَةَ رضي الله عنها، وَإِذَا نَاسٌ يُصَلُّوْنَ فِي

الْمَسْجِدِ صَلَاةَ الضُّحَی. قَالَ: فَسَأَلْنَاهُ عَنْ صَلَاتِهِمْ، فَقَالَ: بِدْعَةٌ. ثُمَّ قَالَ لَهُ کَمِ اعْتَمَرَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ قَالَ اَرْبَعٌ۔(۱)

''میں اور عروہ بن زبیر مسجد میں داخل ہوئے تو وہاں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، حجرۂ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور لوگ مسجد میں چاشت کی نماز پڑھ رہے تھے۔ ہم نے (ابنِ عمرؓ سے) اُن لوگوں کی نماز کے متعلق پوچھا تو اُنہوں نے فرمایا: بدعت ہے۔ پھر اُن سے گزارش کی کہ رسول اللہ ﷺ نے کتنے عمرے کیے؟ فرمایا کہ چار۔''

اس حدیث میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے اُسلوبِ بیان سے واضح ہے کہ ان کے نزدیک لفظِ بدعت کا استعمال اُس قبیح اور خراب معنی میں نہیں ہوتا تھا جتنا آج کل بعض خاص پس منظر رکھنے والے لوگوں نے بنا دیا ہے۔ اسی لئے جب آپ رضی اللہ عنہ سے اس طرح مسجد میں نمازِ چاشت پڑھنے سے متعلق پوچھا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے بغیر کسی تأمّل کے بے ساختہ فرمایا: ''بدعة'' یعنی کوئی بات نہیں یہ بدعت (نیا طریقہ) ہے۔

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب العمرۃ، باب کم اعتمر النبي ﷺ، ۲: ۶۳۰، رقم: ۱۶۸۵

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الحج، باب بیان عدد عمر النبي وزمانهن، ۲: ۹۱۷، رقم: ۱۲۵۵

۳۔ ابن خزیمة، الصحیح، ۴: ۳۵۸، رقم: ۳۰۷۰

۴۔ ابن حبان، الصحیح، ۹: ۲۶۹، رقم: ۳۹۴۵

۵۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۱۲۸، رقم: ۶۱۲۶

۶۔ ابن ابی شیبة، المصنف، ۲: ۱۷۲، رقم: ۶۱۶

۷۔ ابن راہویہ، المسند، ۳: ۶۱۴، رقم: ۱۱۸۷

۸۔ عسقلانی، فتح الباری، ۳: ۵۲، رقم: ۱۱۲۱

ہر بدعت علی الاطلاق ضلالت نہیں ہوتی

مذکورہ بالا روایت پر غور فرمائیں اگر ''کل بدعة ضلالة'' یعنی ہر بدعت علی الاِطلاق ضلالت ہوتی تو ابنِ عمر رضی اللہ عنہ اس طریقے سے اِجتماعی نمازِ چاشت کی اَدائیگی کو بند کروا کر فوراً انہیں مسجد سے نکلوا دیتے اور فرماتے کہ تم حرام کر رہے، کیونکہ اِبن عمر رضی اللہ عنہ جیسے عظیم صحابی سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ ان کے سامنے کسی خلافِ شریعت اَمر کا اِرتکاب ہو رہا ہو اور وہ خاموش رہیں۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ اور عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بھی ابن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ سن کر کہ یہ ''بدعت'' ہے پریشان نہیں ہوئے بلکہ خاموش رہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک محض کسی طریقے کا بدعت یعنی ''نیا ہونا'' اس کے مردود اور ناجائز ہونے کو مستلزم نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ اور عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے بغیر کسی بحث اور توقّف کے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے دوسرا سوال کیا کہ ''كَمِ اعْتَمَرَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم؟ قَالَ: اَرْبَعٌ'' کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کتنے عمرے کئے؟ فرمایا کہ چار۔ پوری حدیث کا سیاق و سباق یہ بتا رہا ہے کہ نمازِ چاشت کو ''بدعة'' کہتے ہوئے نہ حضرت عبداللہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کے ذہن میں ضلالت و گمراہی کا کوئی تصور تھا اور نہ ہی سوال کرنے والوں نے اسے بدعت کہنے پر کوئی اعتراض کیا کیونکہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کے ہاں کسی بھی ''نئے کام'' کے لئے لفظِ بدعت کا استعمال معمول کی بات تھا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے نمازِ چاشت کو بدعت کیوں کہا حالاں کہ یہ تو مسنون ہے۔ کتبِ احادیث میں اس نماز کے بے شمار فضائل بیان ہوئے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دو بار گھر سے باہر آ کر مسجد میں نمازِ چاشت ادا فرمائی۔ پھر اس خیال سے کہ مجھے مسلسل نمازِ چاشت پڑھتا دیکھ کر لوگ اسے واجب ہی نہ سمجھنے لگیں، مسجد میں پڑھنا ترک کر دی اور باقی ساری عمر یہ نماز گھر میں ہی ادا فرماتے رہے۔ چوں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ نماز مسجد میں پڑھتے رہنے کا معمول نہ تھا اور اب صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کثرت کے ساتھ جمع ہو کر مسجد میں پڑھنے لگے تھے،

لہٰذا ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے اس طرح مسجد میں جمع ہو کر نمازِ چاشت پڑھنے کو بدعت کہا اور **اگر یہ "بدعتِ ضلالۃ" ہوتی تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فوراً اس کا نوٹس لے کر انہیں منع کر دیتے کیونکہ اُس وقت پابندیِ شریعت میں عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کون ہوسکتا تھا۔ نہ آپ رضی اللہ عنہ نے منع کیا نہ حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ اور عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اسے گمراہی سمجھا، نہ ہی نماز پڑھنے والے صحابہ و تابعین نے اسے بُرا جانا اور نہ ہی اِمام بخاریؒ نے یہ حدیث نقل کرنے کے بعد اس پر کوئی فتویٰ صادر کیا۔**

اس تفصیل سے یہ واضح ہوا کہ بدعت اَیسے کام کو بھی کہتے ہیں جو اَصلاً جائز اور مشروع ہوتا ہے، لہٰذا محض بدعت کہنے سے وہ کام "کل بدعة ضلالة"(۱) کے زمرے میں نہیں آتا کیونکہ اگر بغیر کسی امتیاز اور تعین کے ہر بدعت کو ضلالت کہنا شروع کر دیں تو پھر معاذ اللہ اس حدیث میں مذکور کثیر صحابہ رضی اللہ عنہم کے عمل کو کیا کہیں گے؟ یہاں تو بدعة کے ساتھ لفظ نِعمَ بھی نہیں آیا۔ صرف بدعة کہا گیا ہے۔ یہاں سے پتہ چلا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کسی بھی نئے کام کے لئے بغیر تکلّف کے لفظِ بدعت استعمال کر لیتے تھے اور کسی کام کو بدعت کہنے سے نہ وہ آپس میں جھگڑتے تھے اور نہ ہی کفر و ضلالت کے فتوے صادر کرنے کا معمول تھا۔ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ ان کے ہاں لفظ بدعت اُس معنی میں استعمال ہی نہیں ہوتا تھا جس معنٰی میں آج بعض لوگ زبردستی استعمال کرتے ہیں، کیونکہ اگر ایسی بات ہوتی تو ابن عمرؓ کے اس قول پر کہ مسجد میں نمازِ چاشت کی اَدائیگی بدعت ہے، فوراً دوسرے صحابہ و تابعین حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث پیش کرتے کہ کل بدعة ضلالة، لیکن ایسا نہیں ہوا کیوں کہ ان صحابہ کو شریعت کا صحیح فہم اور معرفت تھی وہ عرفِ عام میں ہر بدعت کو ضلالت نہیں کہتے تھے بلکہ صرف اس بدعت کو "ضلالة" کہتے تھے جو کتاب و

---

(۱) ۱۔ ابو داود، السنن، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، ۴: ۲۰۰، رقم: ۴۶۰۷

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، ۵: ۴۴، رقم: ۲۶۷۶

سنت سے متعارض و متخالف ہو۔

۲۔ اِسی روایت کو **اِمام اِبن ابی شیبہؒ** (۲۳۵ھ) نے حضرت اعرج رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

سَأَلْتُ مُحَمَّدًا عَنْ صَلَاةِ الضُّحٰی وَ هُوَ مُسْنِدٌ ظَهْرَهُ إِلَی حُجْرَةِ النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ: بِدْعَةٌ وَ نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ۔(۱)

''میں نے محمد (یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہما) سے نمازِ چاشت کے متعلق سوال کیا جب وہ حضور نبی اکرم ﷺ کے حجرہ مبارک کے ساتھ پشت سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے تو انہوں نے فرمایا: بدعت ہے اور بہت اچھی بدعت ہے۔''

۳۔ اسی طرح **اِمام بخاریؒ** (۲۵۶ھ) اپنی ''الصحیح'' میں کتاب صلاۃ التراویح کے باب فضل من قام رمضان میں عبدالرحمٰن بن عبدالقاریؒ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

خَرَجْتُ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ لَيْلَةً فِي رَمَضَانَ إِلَی الْمَسْجِدِ، فَإِذَا النَّاسُ أَوْزَاعٌ مُتَفَرِّقُوْنَ يُصَلِّي الرَّجُلُ لِنَفْسِهِ، وَ يُصَلِّی الرَّجُلُ فَيُصَلِّي بِصَلَاتِهِ الرَّهْطُ، فَقَالَ عُمَرُ رضی اللہ عنہ: إِنِّي أَرَی لَوْ جَمَعْتُ هٰؤُلَاءِ عَلَی قَارِیءٍ وَاحِدٍ لَكَانَ أَمْثَلَ، ثُمَّ عَزَمَ فَجَمَعَهُمْ عَلَی أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، ثُمَّ خَرَجْتُ مَعَهُ لَيْلَةً أُخْرَی وَالنَّاسُ يُصَلُّوْنَ بِصَلَاةِ قَارِئِهِمْ،

۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدين، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

۵۔ ابن حبان، الصحيح، ۱: ۱۷۸، رقم: ۵

(۱) ۱۔ ابن ابی شيبة، المصنف، ۲: ۱۷۲

۲۔ عسقلانی، فتح الباری، ۳: ۵۲، رقم: ۱۱۲۱

قَالَ عُمَرُ: نِعْمَ الْبِدْعَةُ هَذِهِ، وَالَّتِي يَنَامُوْنَ عَنْهَا أَفْضَلُ مِنَ الَّتِي يَقُوْمُوْنَ، يُرِيْدُ آخِرَ اللَّيْلِ، وَ كَانَ النَّاسُ يَقُوْمُوْنَ أَوَّلَه۔(1)

''میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ رمضان کی ایک رات مسجد کی طرف نکلا تو لوگ متفرق تھے۔ ایک آدمی تنہا نماز پڑھ رہا تھا اور ایک آدمی گروہ کے ساتھ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے خیال میں انہیں ایک قاری کے پیچھے جمع کر دیا جائے تو اچھا ہو گا، پس آپ نے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پیچھے سب کو جمع کر دیا پھر میں دوسری رات کو ان کے ساتھ نکلا تو دیکھا کہ لوگ اپنے قاری کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ کتنی اچھی بدعت ہے اور رات کا وہ حصہ جس میں لوگ سو جاتے اس سے بہتر وہ حصہ ہے جس میں وہ قیام کرتے ہیں، مراد رات کا آخری حصہ تھا جبکہ لوگ پہلے حصے میں قیام کرتے تھے۔''

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس خوف سے کہ لوگ اسے فرض نہ سمجھ لیں نمازِ تراویح اور نمازِ چاشت چند دفعہ صحابہ کے ساتھ باہر پڑھنے کے بعد پھر گھر میں پڑھنا شروع کر دی تاکہ کمزور اور بوڑھے لوگ مشقت میں نہ پڑ جائیں۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا (۵۸ھ) فرماتی ہیں بہت سے ایسے اُمور تھے جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کرنا چاہتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں پسند بھی فرماتے تھے مگر نہیں کرتے تھے کہ کہیں مسلسل کرنے کی وجہ سے یہ لوگوں پر

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب صلاۃ التراویح، باب فضل من قام رمضان، ۲: ۷۰۷، رقم: ۱۹۰۶

۲۔ مالک، المؤطا، ۱: ۱۱۴، رقم، ۲: ۲۵۰

۳۔ عبد الرزاق، المصنف، ۴: ۲۵۸، رقم: ۷۷۲۳

۴۔ ابن خزیمۃ، الصحیح، ۲: ۱۵۵، رقم: ۱۱۰۰

۵۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۲: ۴۹۳، رقم: ۴۳۷۹

۶۔ بیہقی، شعب الایمان، ۳: ۱۷۷، رقم: ۳۲۶۹

فرض نہ ہو جائیں یا کہیں لوگ اسے واجب نہ سمجھ لیں اور بہت زیادہ مشقت اور تکلیف میں نہ پڑ جائیں۔ ''صحیح بخاری'' میں روایت ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

ان کان رسول اللہ ﷺ لیدع العمل وھو یحب ان یعمل به خشیة ان یعمل به الناس فیفرض علیھم وما سبّح رسول اللہ ﷺ سبحة الضحی قط و انی لاسبحھا۔ (۱)

''رسول اللہ ﷺ (بعض اَوقات) کسی عمل کو اس ڈر سے ترک کر دیتے کہ لوگ اس کام کو کریں گے تو ان پر فرض کر دیا جائے گا حالانکہ اس کا کرنا آپ ﷺ کو محبوب ہوتا، اور رسول اللہ ﷺ نے نمازِ چاشت بالکل نہیں پڑھی (یعنی پابندی سے) لیکن میں اسے پڑھتی ہوں۔''

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، ابواب التقصیر الصلوة، باب تحریض النبی ﷺ علی صلوة اللیل، ۱: ۳۷۹، رقم: ۱۰۷۶
۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب صلاة المسافرین، باب استحباب صلاة الضحیٰ، ۱: ۴۹۷، رقم: ۷۱۸
۳۔ ابو داود، السنن، کتاب التطوع، باب صلاة الضحیٰ، ۲: ۲۸، رقم: ۱۲۹۳
۴۔ مالک، الموطأ، کتاب قصر الصلاة فی السفر، باب صلاة الضحیٰ، ۱: ۱۵۲، رقم: ۳۵۷
۵۔ احمد بن حنبل، المسند، ۶: ۱۷۸، رقم: ۲۵۴۹۰
۶۔ ابن حبان، الصحیح، ۲: ۱۲، رقم: ۳۱۳
۷۔ ربیع، المسند، ۱: ۸۶، رقم: ۱۹۶
۸۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۱: ۱۸۰، رقم: ۴۸۰
۹۔ ابو عوانہ، المسند، ۲: ۲۶۷
۱۰۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۳: ۵۰، رقم: ۴۶۹۲

حضور ﷺ نے چوں کہ وقتی مصلحت کے پیشِ نظر اپنی حیاتِ طیّبہ میں مسجد میں با جماعت نمازِ تراویح سے منع فرما دیا تھا۔ لہٰذا آپ ﷺ کے وصال کے بعد سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ڈھائی سالہ دورِ خلافت میں لوگ نمازِ تراویح الگ الگ پڑھتے رہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت کے اِبتدائی سالوں میں بھی اِنفرادی طور پر ادا کرتے رہے بعد اَزاں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ایک اِمام کے پیچھے اکٹھا کر دیا اور جب اُنہیں مسجد میں باجماعت نمازِ تراویح پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا! یہ کتنی اچھی بدعت ہے۔ اب غور طلب بات یہ ہے کہ اگر لفظِ بدعت میں اتنی ہی خرابی ہوتی اور اس کا معنی ہی ضلالت و گمراہی ہوتا تو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ تراویح جیسی عبادت کے لئے کبھی ایسا لفظ استعمال نہ کرتے۔ ویسے بھی وہ اہلِ زبان تھے، اگر ایسی بات ہوتی تو وہ بدعت کی جگہ کوئی دوسرا متبادل لفظ استعمال کرتے، مگر ان سب باتوں کے باوجود انہوں نے لفظِ بدعت ہی استعمال کیا، اس کے استعمال کا ایک مقصد تھا، وہ مقصد یہ تھا کہ اگرچہ ہر نیا کام اپنے ''نئے پن'' کی وجہ سے بدعت ہوتا ہے مگر حضور ﷺ کے فرمان – **فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ**(۱) – کی وجہ سے ہر وہ نیا کام جسے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے شروع کیا ہو، وہ سنتِ خلفاءِ راشدین ہونے کی وجہ سے بدعتِ حسنہ ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب ایک اِمام کی اِقتداء میں باجماعت نمازِ تراویح کا آغاز کیا تو اسے ''نعمت البدعة هذه'' فرمایا۔

(۱) ۱۔ ابو داود، السنن، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، ۴: ۲۰۰، رقم: ۴۶۰۷
۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، ۵: ۴۴، رقم: ۲۶۷۶
۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدين، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲
۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶
۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۱۷۸، رقم: ۵

اَحادیث میں لفظِ اِحداث کے اِطلاقات

لفظِ بدعت کی طرح لفظِ اِحداث کو بھی اس کے غلط اِستعمال کی وجہ سے بعض لوگوں نے اِسے ضلالت وگمراہی کا ہم معنی بنا دیا ہے حالانکہ اِحداثِ حسن کو بدعت و گمراہی قرار دینا بذاتِ خود جہالت وگمراہی ہے۔ ذیل میں اِحداث اور محدثہ کے حوالے سے چند اَحادیث پیش کی جاتی ہیں جس سے یہ واضح ہو جائے گا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بلاتکلّف یہ لفظ اَعمالِ حسنہ کے لیے بھی استعمال کرتے تھے چنانچہ ''کل محدثة بدعة وکلِ بدعة ضلالة'' کے مفہوم میں منشاے رسول کو سمجھے بغیر ہر نئے کام کو بغیر اس کے حُسن و قُبح کے گمراہی قرار دینا دین کیساتھ زیادتی ہے۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اِس لفظ میں معاذ اللہ اتنی ہی خرابی اور نقص ہوتا تو کبھی بھی اس کی نسبت حضور نبی اکرم ﷺ کی طرف نہ کی جاتی۔ اِمام مسلم (۲۶۱ھ) اپنی ''الصحیح'' میں کتاب الصلاۃ، باب ما یقال فی الرکوع و السجود میں نقل کرتے ہیں کہ سیدہ عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يُكْثِرُ أَنْ يَقُوْلَ، قَبْلَ أَنْ يَمُوْتَ: سُبْحَانَکَ وَبِحَمْدِکَ، أَسْتَغْفِرُکَ وَ أَتُوْبُ إِلَيْکَ. قَالَتْ: قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللهِ، مَا هَذِهِ الْكَلِمَاتُ الَّتِي أَرَاکَ أَحْدَثْتَهَا تَقُوْلُهَا؟ قَالَ: جُعِلَتْ لِي عَلَامَةٌ فِي أُمَّتِي إِذَا رَأَيْتُهَا قُلْتُهَا. إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللهِ وَالْفَتْحُ(۱) إلى آخِرِ السُّوْرَةِ۔(۲)

------ ۶۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۸: ۲۴۹، رقم: ۶۲۴

۷۔ دارمی، السنن، ۱: ۵۷، رقم: ۹۵

۸۔ بیہقی، شعب الایمان، ۶: ۶۷، رقم: ۷۵۱۶

۹۔ حاکم، المستدرک، ۱: ۱۷۴، رقم: ۳۲۹

(۱) القرآن، النصر، ۱۱۰: ۱۱۲

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب: الصلاۃ، باب: ما یقال فی الرکوع و السجود، ۱: ۳۵۱، رقم: ۴۸۴

—

’’حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ وصال سے پہلے بکثرت یہ کلمات فرماتے تھے: **سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَ رَبَّنَا وَ بِحَمْدِکَ أَسْتَغْفِرُکَ وَ أَتُوْبَ إِلَیْکَ**۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اب آپ نے یہ نئے کلمات کیوں فرمانے شروع کر دیے جنہیں میں آپ کو پڑھتے ہوئے دیکھتی ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری اُمت کی ایک علامت مقرر کر رکھی ہے جب میں اُمت میں اس علامت کو دیکھتا ہوں تو سورہ (اذا جاء نصر اللہ و الفتح) پڑھتا ہوں (اس سورت میں جو حکم ہے اس پر عمل کرتا ہوں)۔‘‘

مذکورہ حدیث کے تناظر میں لفظِ ’’احداث‘‘ پر تبصرہ سے قبل یہ جاننا ضروری ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی زبانِ اَقدس سے نکلا ہوا ہر لفظ حق ہے۔(۱) آپ جب چاہیں جس وقت چاہیں اور جو چاہیں فرما دیں اور جو فرما دیں وہی سنت بن جاتا ہے۔ وہی ’’فی أمر نا ھذا‘‘(۲) بن جاتا ہے، وہی دین بن جاتا ہے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یہ سب کچھ جاننے کے باوجود بے ساختہ آپ ﷺ کے ان نئے کلمات کے بارے میں فرماتی ہیں: ’’مَا هَذِهِ الْكَلِمَاتُ الَّتِي أَرَاکَ أَحْدَثْتَهَا تَقُوْلُهَا؟‘‘ ’’یا رسول اللہ! اب آپ نے یہ نئے کلمات کیوں پڑھنے شروع کر دیئے جنہیں میں آپ کو پڑھتے ہوئے

.... ۲۔ ابن ابی شیبۃ، المصنف، ۶: ۴۲، رقم: ۲۹۳۳۲

۳۔ ابو نعیم، المسند المستخرج علی صحیح الإمام مسلم، ۲: ۹۸، رقم: ۱۰۷۶

۴۔ طبری، جامع البیان عن تأویل أي القرآن، ۳۰: ۳۳۴

(۱) احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۱۶۲، رقم: ۶۵۱۱
حاکم، المستدرك، ۱: ۱۸۷، رقم: ۳۵۹

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الصلح، باب اذا اصطلحوا علی صلح جور، ۲: ۹۵۹، رقم: ۲۵۵۰

۲۔ ابو داود، السنن، کتاب السنۃ، باب فی لزوم السنۃ، ۴: ۲۰۰، رقم: ۴۶۰۶

دیکھتی ہوں؟‘‘

اس حدیث میں لفظِ ’’احداث‘‘ کی نسبت حضور ﷺ کی طرف کی گئی ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ بعض کلمات چاہے سنت ہی کیوں نہ ہوں اور آپ ﷺ کے فرمودہ ہی کیوں نہ ہوں اُن کی طرف بھی اِحداث کی نسبت کی جا سکتی ہے۔ اسی طرح پچھلی حدیث میں نمازِ چاشت مسجد میں پڑھنے پر لفظِ بدعت اِستعمال ہوا تھا۔ اس سے یہ اَمر واضح ہو جاتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر نئے کام کو ’’**کل محدثة بدعة و کل بدعة ضلالة**‘‘[(۱)] کا وہ مفہوم نہیں لیتے تھے جو آج بعض کم فہم لوگ لیتے ہیں۔ ایسی کسی بھی حدیث پر کوئی بھی حکم لگانے سے قبل اس حدیث کا سیاق و سباق دیکھا جائے، اس کے مرادی معنی، مضمون اور شانِ نزول کو پیشِ نظر رکھا جائے اور اِس اَمر پر غور و خوض کیا جائے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کس تناظر میں کیا واقعہ اور مضمون بیان فرما رہے ہیں۔ اور آپ ﷺ کے فرمان کا منشاء و مقصود کیا ہے؟ لہٰذا جب تک پورے مضمون کو من کل الوجوہ سامنے نہ رکھا جائے اور محض سرسری طور پر اَلفاظ کو پکڑ کر حکم لگا دیا جائے تو گمراہی پیدا ہوگی اور مفہوم کچھ کا کچھ بن جائے گا۔

۳۔ ابو عوانہ، المسند، ۴: ۱۷۱، رقم: ۶۴۰۸

۴۔ ابو یعلی، المسند، ۸: ۷۰، رقم: ۴۵۹۴

۵۔ دیلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۳: ۵۷۹، رقم: ۵۸۱۲

(۱) ۱۔ ابو داود، السنن، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، ۴: ۲۰۰، رقم: ۴۶۰۷

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، ۵: ۴۴، رقم: ۲۶۷۶

۳۔ ابن ماجہ، السنن، مقدمہ، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدین، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۱۷۸، رقم: ۵

اگر لفظِ احداث اور بدعت میں اتنی ہی خرابی ہوتی تو کبھی بھی سیدہ عائشہ صدیقہ رضي الله عنها یہ لفظ حضور ﷺ کے لئے استعمال نہ فرماتیں۔ اُم المومنین رضی اللہ عنہا کا لفظِ احداث حضور ﷺ کے لئے استعمال کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بذاتِ خود اس لفظ کے معنی ومفہوم میں کوئی خرابی نہیں بلکہ خرابی اُن لوگوں کے فہمِ اِسلام میں ہے جنہوں نے زبردستی ان الفاظ کو ضلالت و گمراہی کا ہم معنی بنا دیا ہے۔ اگر لفظِ احداث اور بدعت عربی محاورہ میں اَچھے معنوں میں اِستعمال نہ ہوتے تو کبھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور ﷺ کے لئے یہ اَلفاظ استعمال نہ کرتے بلکہ اِرشادِ باری تعالیٰ - لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوْا انْظُرْنَا(۱) - کی تعمیل میں دوسرے متبادل اَلفاظ استعمال کرتے تاکہ بے اَدبی اور گستاخی کا شائبہ نہ رہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ لفظِ اِحداث کتاب وسنت یا عربی اَدب میں ہر جگہ منفی یا ممنوعہ معانی میں اِستعمال نہیں ہوتا بلکہ وہ مشروع، مباح اور جائز معانی میں بھی اِستعمال ہوتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس کا معنی بُرا کب ہوتا ہے اور اچھا کب؟

امام بدر الدین عینی (۸۵۵ھ) اس اُصول کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ان کانت مما یندرج تحت مستحسن فی الشرع فهی بدعة حسنة و ان کانت مما یندرج تحت مستقبح فی الشرع فهی بدعة مستقبحة۔(۲)

> ’’اگر یہ بدعت شریعت کے مستحسنات کے تحت آ جائے تو ’’**بدعت حسنہ**‘‘ ہے اور اگر یہ شریعت کے مستقبحات کے تحت آ جائے تو یہ ’’**بدعت مستقبحة**‘‘ ہے۔‘‘

زیرِ بحث حدیثِ مبارکہ میں اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضي الله عنها کا نئے کلمات سن کر حضور ﷺ کو ’’يَا رَسُوْلَ اللهِ، ما هٰذِهِ الْکَلِمَاتُ الَّتِي أَرَاکَ أَحْدَثْتَهَا

(۱) القرآن، البقرة، ۲: ۱۰۴

(۲) عینی، عمدة القاری فی شرح صحیح البخاری، ۱۱: ۱۲۶

تَقُوْلُهَا؟'' عرض کرنا اور اس کے جواب میں حضور ﷺ کا اس اِحداث کو اِحداثِ حسن یا محدثہ حسنہ قرار دیتے ہوئے اِرشاد فرمانا: ''جُعِلَتْ لِي عَلَامَةٌ فِي أُمَّتِي إِذَا رَأَيْتُهَا قُلْتُهَا'' سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک اچھے اور نئے کام کو شروع کرنا یا اچھی بات اور نئے کلمات کا اجراء کرنا اِحداثِ حسن ہے اور یہ حضور ﷺ کی سنت سے ثابت ہے لہٰذا کوئی نئی ہیئت کی چیز، نیا کام یا نیکی اور خیر پر مبنی نیک کام کو شروع کرنا اور رواج دینا سب حضور ﷺ کی سنت ہیں۔ احادیثِ نبوی ''ما احدث فی امرنا ھذا'' اور ''کل محدثه بدعة'' اور اس مفہوم کی دیگر احادیث سے غلط استدلال کرتے ہوئے ہر اِحداث کو ضلالت و گمراہی قرار دینا بذاتِ خود جہالت اور منشاءِ رسول ﷺ کو نہ سمجھنے کے مترادف ہے، کیونکہ بدعتِ حسنہ کے اجراء کی اصل خود حضور ﷺ کی سنت ہے، لہٰذا جو عمل سنتِ رسول ﷺ پر قائم ہو وہ ایک ہو یا ایک ہزار ہوں، وہ سب حسنہ ہوں گے۔ انہیں محض اپنے استدلالِ باطل کی بنا پر بدعتِ سیئہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔

ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیں جس میں کثیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور ﷺ کی نسبت لفظِ اِحداث اِستعمال کیا اور حضور ﷺ نے اپنے اِس نئے عمل کو محدثۂ حسنہ قرار دیا جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ لفظِ اِحداث کو ضلالت و گمراہی کے مترادف اِستعمال نہیں کیا جا سکتا۔ **اِمام نسائیؒ** (۳۰۳ھ) السُّنن الکبریٰ میں رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِذَا اجْتَمَعَ إِلَيْهِ أَصْحَابُهُ فَأَرَادَ أَنْ يَّنْهَضَ قَالَ: سُبْحَانَکَ اللَّهُمَّ وَ بِحَمْدِکَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُکَ وَ أَتُوْبُ إِلَيْکَ عَمِلْتُ سُوْءً او ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْلِی فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا أَنْتَ. فَقُلْنَا: يَا رَسُوْلَ اللهِ هَذِهِ کَلِمَاتٌ أَحْدَثْتَهُنَّ قَالَ: أَجَلْ جَاءَنِي جِبْرَئِيْلُ فَقَالَ لِي: يَا مُحَمَّدُ هُنَّ كَفَّارَةُ الْمَجَالِسِ۔(۱)

(۱) ۱۔ نسائی، السنن الکبری، ۶: ۱۱۳، رقم: ۱۰۲۰

۲۔ حاکم، المستدرک، ۱: ۷۲۱، رقم: ۱۹۷۲

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد جمع ہوتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (مجلس ختم ہونے کے بعد) اُٹھنے لگتے تو فرماتے: ''اے اللہ! تیرے لئے ہی پاکی ہے اور تیرے لئے ہی تمام تعریفیں ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں تجھ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور تیری طرف ہی رجوع کرتا ہوں، برا کیا ہو یا اپنے اوپر ظلم کیا ہو۔ پس تو مجھے بخش دے۔ یقیناً تیرے سوا کوئی بھی گناہ معاف نہیں کرسکتا۔'' ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ نے یہ نئے کلمات پڑھے۔ فرمایا: ہاں! ابھی میرے پاس جبرائیل آئے تھے اور مجھ سے عرض کیا: اے محمد! یہ اَلفاظ مجالس کا کفارہ ہیں۔''

اس حدیثِ مبارکہ سے دو باتیں ثابت ہوئیں:

۱۔ لفظِ اِحداث میں مطلقاً کوئی قباحت اور خرابی نہیں ہے۔ اسے ضلالت و گمراہی کی طرف منسوب کرنا عملِ صحابہ اور سنتِ صحابہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ اگر اس کے مفہوم میں کوئی برائی اور خرابی ہوتی تو کبھی بھی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ لفظ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے استعمال نہ کرتے۔

۲۔ نئے کلمات اور نیک اَعمال کا اِجراء اس نیت کے ساتھ کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے، جائز ہے۔ اسی کو بدعت حسنہ کہتے ہیں۔

مختصر یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بلاتکلف اَعمالِ حسنہ اور افعالِ خیر کے لئے لفظِ اِحداث اور لفظِ بدعت استعمال کرنا اور پھر اِن الفاظ کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نسبت کرنا اس بات کا بیّن ثبوت ہیں کہ ہر اِحداث اور بدعت موجبِ ضلالت و گمراہی نہیں۔

۳۔ منذری، الترغیب والترهیب، ۲: ۲۶۴، رقم: ۲۳۳۹

۴۔ نسائی، عمل الیوم واللیلة، ۱: ۳۲۰، رقم: ۴۲۷

فصل دوم

تصورِ بدعت اور آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم

١۔ جمعِ قرآن اور شیخین رضی اللہ عنہما کا عمل

٢۔ باجماعت نمازِ تراویح کی اِبتدا

٣۔ نمازِ جمعہ سے قبل دوسری اَذان

٤۔ قطع ید کی سزا کی معطّلی

٥۔ چور کے قطع ید کی بجائے مالک کو دوگنا قیمت ادا کرنے کا حکم

٦۔ عورتوں کو مسجد میں باجماعت نماز سے روکنا

٧۔ مانعینِ زکوٰۃ سے قتال

۸۔ جرمِ لواطت پر جلانے کی سزا

۹۔ کتابیہ عورت سے نکاح کی ممانعت

۱۰۔ مؤلفۃ القلوب کی شق کی معطّلی

۱۱۔ مفتوحہ زمینوں کی تنظیم کے بارے میں فیصلہ

۱۲۔ تاجروں سے عشور کی وصولی

۱۳۔ مجرم کے لے شہر بدری کے حکم کو منسوخ کرنا

۱۴۔ گھوڑوں اور غلاموں پر صدقہ لینے کا حکم

۱۵۔ بیت المال سے وظیفہ کا تقرر

گزشتہ اَبواب میں بدعت کے اِطلاق اور اس کے مفہوم کے بیان سے اچھی طرح واضح ہو گیا کہ لُغوی اِعتبار سے ہر نئی چیز کو **بدعت** کہتے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس کا تصور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار میں بھی موجود تھا یا نہیں؟ اس کی وضاحت کے لئے اِختصار کے پیشِ نظر ہم خلفاءِ راشدین رضی اللہ عنہم کا عمل موضوعِ زیرِ بحث کے حوالے سے بیان کریں گے، کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اُمت کے لئے ان کا عمل ہی سب سے زیادہ مستند و معتبر ہے۔

ا۔ جمعِ قرآن اور شیخین رضی اللہ عنہما کا عمل

امام شاطبیؒ (۷۹۰ھ) اپنی معروف کتاب ''الاعتصام'' میں قرآن کی جمع و تدوین کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> **انّ أصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إتفقوا علی جمع المصحف ولیس تَمَّ نص علی جمعه وکتبه۔**[۱]

> ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ قرآن کریم کو ایک مصحف میں جمع کرنے پر متفق ہو گئے حالانکہ قرآن کریم کو جمع کرنے اور لکھنے کے بارے میں ان کے پاس کوئی صریح حکم نہیں تھا۔''

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی نیا کام دینی مصالح اور خیر پر مبنی ہو تو اس کو اِختیار کرنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سنت ہے اور اسے محض نیا ہونے کی وجہ سے رد نہیں کیا جا سکتا۔ جمعِ

---

(۱) شاطبی، الاعتصام، ۲: ۱۱۵

قرآن کی تفصیل یہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ منصبِ خلافت پر متمکن ہوئے تو اس وقت جھوٹی نبوت کے دعویدار مسیلمہ کذاب کے خلاف جنگ یمامہ میں تقریباً سات سو (۷۰۰) حفاظِ قرآن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوئے۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ اگر یہ سلسلۂ جہاد وقتال اسی طرح جاری رہا اور وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جن کے سینوں میں قرآن حکیم محفوظ ہے شہید ہوتے رہے تو عین ممکن ہے کہ آگے چل کر حفاظتِ قرآن میں خاصی دشواری پیش آئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو جب یہ فکر دامن گیر ہوئی تو آپ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور عرض کیا: **یا خلیفة الرسول!** حفاظ صحابہ رضی اللہ عنہم جنگوں میں شہید ہوتے جا رہے ہیں، کہیں حفاظتِ قرآن مسلمانوں کے لئے ایک مسئلہ نہ بن جائے۔ اس لئے میری یہ تجویز ہے کہ قرآن کو فوری طور پر ایک کتابی صورت میں یکجا کر دیا جائے، اس طرح اس کی حفاظت کا بہتر اہتمام ہو سکے گا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ذہن فوراً اس طرف گیا کہ جو کام حضور ﷺ نے اپنی زندگی میں نہیں کیا وہ میں کیوں کروں؟ لہٰذا انہوں نے فرمایا:

كيف أَفعل شيئا ما لم يفعله رسول الله ﷺ؟(۱)

’’میں ایسا کام کیسے کرسکتا ہوں جسے رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا؟‘‘

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بصیرت افروز نگاہیں اس حکمت و مصلحت اور بھلائی کا مشاہدہ کر رہی تھیں جو جمعِ قرآن میں مضمر تھی، لہٰذا انہوں نے جواب دیا: اے امیرالمومنین! درست ہے کہ یہ کام ہمارے آقا ﷺ نے بوجوہ اپنی ظاہری حیاتِ مقدسہ میں نہیں کیا لیکن ’’**هو والله خير**‘‘ اللہ کی قسم، یہ بہت اچھا اور بھلائی پر مبنی ہے، لہٰذا ہمیں اسے ضرور کرنا چاہئے۔

اس بحث و تمحیص کے دوران سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اِنشراحِ صدر نصیب ہوا اور فرمایا:

---

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب التفسیر، باب قوله لقد جاء کم رسول، ۴: ۱۷۲۰، رقم: ۴۴۰۲

اے عمر! اللہ تیری قبر کو روشن کرے، تو نے اپنی گفتگو سے میرے سینے کو روشن کر دیا۔ اس حدیث کے راوی حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مجھ سے فرمانے لگے کہ آپ نوجوان اور سمجھدار شخص ہیں۔ علاوہ ازیں آپ چونکہ کاتب وحی رہے ہیں ان تمام وجوہات کی بناء پر ہم آپ رضی اللہ عنہ کو ہی اس کام پر مامور کرتے ہیں لہٰذا آپ قرآن کو مختلف مقامات سے تلاش کر کے ایک جگہ جمع کر دیں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو جب اتنی بڑی اور نازک ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونا پڑا تو ابتدائی طور پر ان کے ذہن میں بھی وہی سوالات پیدا ہوئے جو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ذہن میں اُبھرے تھے، لہٰذا کہنے لگے:

فواللہ لو کلفنی نقل جبل من الجبال ما کان أثقل عليّ مما أمرنی به من جمع القرآن، قلت: کیف تفعلان شیئا؟ لم یفعله النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقال: أبوبکر هو واللہ خیر۔[1]

"اللہ کی قسم (ابوبکر رضی اللہ عنہ) مجھے اگر ایک پہاڑ کو دوسرے کی جگہ نقل کرنے کی

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب التفسیر، باب قوله لقد جاء کم رسول، ۴: ۱۷۲۰، رقم: ۴۴۰۲

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب الاحکام، باب یستحب للکاتب أن یکون امیناً عاقلاً، ۶: ۲۶۲۹، رقم: ۶۷۶۸

۴۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب التفسیر، باب من سورة التوبة، ۵: ۲۸۳، رقم: ۳۱۰۳

۵۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۵: ۷، رقم: ۲۲۰۲

۶۔ احمد بن حنبل، المسند، ۱: ۱۳، رقم: ۷۶

۷۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۰: ۳۶۰، رقم: ۴۵۰۶

۸۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۵: ۱۴۶، رقم: ۴۹۰۱

۹۔ ابو یعلی، المسند، ۱: ۹۱، رقم: ۹۱

۱۰۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۲: ۴۰، رقم: ۲۲۰۲

تکلیف دیتے تو قرآن کو جمع کرنے سے وہ کام میرے لئے بھاری نہ ہوتا۔ (زید بن ثابت رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں کہ میں نے (عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے) عرض کیا آپ وہ کام کس طرح کرتے ہیں جس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں کیا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم یہ بہتر کام ہے۔''

اس گفتگو کے بعد حضرت زید رضی اللہ عنہ کو بھی اِنشراحِ صدر نصیب ہوا اور وہ اس کام کے لئے تیار ہوگئے۔ انہوں نے کھجور کی شاخوں، سفید پتھروں اور لوگوں کے سینوں سے قرآن کو جمع کرنا شروع کردیا۔ اس طرح تیار کئے گئے قرآن حکیم کے چند نسخے جو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بعد اُم المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس محفوظ ہوگئے تھے۔ بعد اَزاں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان سے وہ نسخے منگوا کر قرآن حکیم کو دوبارہ موجودہ ترتیب میں یک جا کردیا۔

مذکورہ حدیثِ مبارکہ میں اَہم بات یہ ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اس سوال پر کہ ''**کیف تفعلان شیئاً لم یفعله النبی** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کوئی جواب نہیں دیا اور نہ ہی اس کام کے بدعت (نیا کام) ہونے کا انکار کیا ہے بلکہ ان کے سوال کے جواب میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ دہرائے کہ ''**ھو و اللہ خیر**''۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ ہر وہ کام جو مبنی بر حکمت و مصلحت ہو اور احکامِ شریعت سے متعارض و متناقض بھی نہ ہو وہ بلاشک وشبہ مباح، جائز اور مشروع ہے اور ایسے اُمور کا بجا لانا سنت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ہے۔

۲۔ باجماعت نمازِ تراویح کی ابتدا

جمع و تدوینِ قرآن کی طرح باجماعت نمازِ تراویح کا یہ عمل بھی سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے فرمان کی تعمیل میں باقاعدہ وجود پذیر ہوا۔ لفظِ بدعت کے مثبت اِستعمال کی اِس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہوسکتی ہے کہ حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے باجماعت نمازِ تراویح جیسی مقدس عبادت کو ''**نعم البدعة**'' کہا ہے۔ اَحادیثِ مبارکہ میں مذکور ہے کہ حضور نبی

اکرم ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں رمضان المبارک میں تین راتیں نماز تراویح با جماعت پڑھائی۔ اس کے بعد فرض ہوجانے کے خوف سے آپ ﷺ ساری زندگی گھر میں ہی پڑھتے رہے اور تمام صحابہ کرام ﷺ بھی اِنفرادی طور پر اپنی اپنی نماز پڑھ لیتے۔ حضور ﷺ کے عہد مبارک کے بعد سیدنا صدیق اکبر ﷺ کے اڑھائی سالہ دورِ خلافت میں بھی صحابہ کرام ﷺ کا یہی معمول رہا۔ جب سیدنا عمر بن الخطاب ﷺ کا دورِ خلافت آیا اور آپ نے دیکھا کہ رمضان المبارک میں لوگ مختلف شکلوں میں نمازِ تراویح ادا کررہے ہیں۔ تو اس خیال سے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کے اندر مساجد کو آباد کرنے کا ذوق بھی کم ہوسکتا ہے اور اگر صورتحال یہی رہی تو عین ممکن ہے کسی وقت لوگ نماز تراویح پڑھنا ہی ترک کر دیں، چنانچہ ''صحیح بخاری'' میں حضرت عبد الرحمٰن ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے اس قصد کو پختہ فرما کر سب کو حضرت اُبی بن کعب ﷺ کے پیچھے جو حافظِ قرآن تھے نماز تراویح جماعت سے پڑھنے کے لئے مجتمع کیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عبدالقاری بیان کرتے ہیں:

خرجت مع عمر بن الخطاب ﷺ ليلة في رمضان إلى المسجد فإذا الناس أوزاع متفرقون يصلى الرجل لنفسه و يصلي الرجل فيصلي بصلا ته الرهط، فقال عمر: إني أرى لو جمعت هؤلاء على قارئ واحد لكان أمثل ثم عزم فجمعهم على أبى بن كعب ثم خرجت معه ليلة أُخرى والنّاس يصلون بصلوة قارئهم، قال عمر: نعم البدعة هذه والتى ينامون عنها أفضل من التى يقومون يريد آخر الليل و كان الناس يقومون أوّله۔(۱)

''میں حضرت عمر ﷺ کے ساتھ رمضان کی ایک رات مسجد کی طرف نکلا تو لوگ

(۱) ا۔ بخاری، الصحيح، كتاب صلاة التراويح، باب فضل من قام رمضان، ۲: ۷۰۷، رقم: ۱۹۰۶

متفرق تھے ایک آدمی تنہا نماز پڑھ رہا تھا اور ایک آدمی گروہ کے ساتھ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے خیال میں انہیں ایک قاری کے پیچھے جمع کر دیا جائے تو اچھا ہوگا، پس آپ نے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پیچھے سب کو جمع کر دیا۔ پھر میں دوسری رات کو ان کے ساتھ نکلا تو دیکھا کہ لوگ اپنے قاری کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ کتنی اچھی بدعت ہے اور رات کا وہ حصہ جس میں لوگ سو جاتے اس سے بہتر وہ حصہ ہے جس میں وہ قیام کرتے ہیں مراد رات کا آخری حصہ تھا جبکہ لوگ پہلے حصے میں قیام کرتے تھے۔‘‘

اس روایت میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خود ’’نعم البدعة هذه‘‘ فرما کر بدعت کی تقسیم فرما دی اور یہ ثابت کر دیا کہ ہر بدعت، بدعت سیئہ نہیں ہوتی بلکہ بے شمار بدعات حسنہ بھی ہوتی ہیں وگرنہ آج تک امت مسلمہ کے جو افراد رمضان المبارک کی بابرکت راتوں میں مساجد میں نماز تراویح کی صورت میں اکٹھے ہوکر قرآن سنتے ہیں یہ بھی ناجائز ہوتا مگر ہمیشہ یہ امر مستحسن رہا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ بدعت حسنہ اور سیئہ کی تقسیم مبنی بر حدیث ہے یہ محض قیاسی تقسیم نہیں بلکہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قول پر قائم ہے۔ **علامہ ابن اثیر جزریؒ** (۶۰۶ھ) نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس فرمان کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

ومن هذا النوع قول عمر رضی اللہ عنہ: نِعمت البدعة هذه(۱) لمَّا كانت من أفعال الخير وداخلة في حيز المدح سماها بدعة ومدحها؛ لأن

۲۔ مالك، المؤطا، ۱: ۱۱۴، رقم، ۲: ۲۵۰

۳۔ ابن خزيمة، الصحيح، ۲: ۱۵۵، رقم: ۱۱۰۰

۴۔ بيهقي، السنن الكبرىٰ، ۲: ۴۹۳، رقم: ۴۳۷۹

۵۔ بيهقي، شعب الايمان، ۳: ۱۷۷، رقم: ۳۲۶۹

(۱) ا۔ بخاري، الصحيح، كتاب صلاة التراويح، باب فضل من قام رمضان، ۲: ۷۰۷، رقم: ۱۹۰۶

النبی ﷺ لم یسُنّها لهم، و إنما صلّاها لیالی ثم ترکها ولم یحافظ علیها، ولا جمع الناس لها، ولا کانت فی زمن أبی بکر، وإنما عمر رضی اللہ عنہ جمع الناس علیها و ندبهم إلیها، فبهذا سمّاها بدعة، وهی علی الحقیقة سنّة، لقوله ﷺ علیکم بسنّتی و سنّة الخلفاء الراشدین من بعدی[1] وقوله اقتدوا بالذین من بعدی أبی بکر و عمر[2] و علی هذا التأویل یحمل الحدیث الآخر (کل محدثة بدعة[3] إنما یرید ما خالف أصول الشریعة ولم یوافق

------ ۲۔ مالك، المؤطا، ۱: ۱۱۴، رقم، ۲: ۲۵۰

۳۔ ابن خزیمة، الصحیح، ۲: ۱۵۵، رقم: ۱۱۰۰

۴۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۲: ۴۹۳، رقم: ۴۳۷۹

۵۔ بیہقی، شعب الایمان، ۳: ۱۷۷، رقم: ۳۲۶۹

(۱) ۱۔ ابو داود، السنن، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، ۴: ۲۰۰، رقم: ۴۶۰۷

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، ۵: ۴۴، رقم: ۲۶۷۶

۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدین، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۱۷۸، رقم: ۳۵

(۲) ترمذی، الجامع الصحیح، ۵: ۶۷۲، رقم: ۳۸۰۵

(۳) ۱۔ ابو داود، السنن، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، ۴: ۲۰۰، رقم: ۴۶۰۷

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، ۵: ۴۴، رقم: ۲۶۷۶ ——

السُّنَّة۔(۱)

''اور اِسی قسم (یعنی بدعتِ حسنہ) میں سے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ قول ''نعمت البدعة هذه'' ہے پس جب کوئی کام افعالِ خیر میں سے ہو اور مقام مدح میں داخل ہو تو اسے (لُغوی اعتبار سے) بدعت کہا جائے گا اور اس کی تحسین کی جائے گی کیونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس (باجماعت نماز تراویح کے) عمل کو ان کے لئے مسنون قرار نہیں دیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چند راتیں اس کو پڑھا پھر (با جماعت پڑھنا) ترک کر دیا اور (بعد میں) اس پر محافظت فرمائی اور نہ ہی لوگوں کو اس کے لئے جمع کیا۔ اس کے بعد نہ ہی یہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور میں (باجماعت) پڑھی گئی۔ پھر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے (اپنے دور میں) لوگوں کو اس پر جمع کیا اور ان کو اس کی طرف متوجہ کیا پس اس وجہ سے اس کو بدعت کہا گیا درآں حالیکہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول - عليكم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدين من بعدی - اور اس فرمان - اقتدوا باللّذين من بعدی من أصحابی أبی بكر و عمر - کی وجہ سے حقیقت میں سنت ہے پس اس تاویل کی وجہ سے حدیث ''كل محدثة بدعة'' کو اُصولِ شریعت کی مخالفت اور سنت کی عدمِ موافقت پر محمول کیا جائے گا۔''

امام قرطبیؒ (۶۷۱ھ) سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے باجماعت نمازِ تراویح شروع کروانے کے اس نئے عمل کو بدعتِ محمودہ اور بدعتِ ممدوحہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

و يَعُضُدُ هذا قول عمر رضی اللہ عنہ: نعمت البدعة هذه؛ لما كانت من أفعال الخير و داخلة فی حيز المدح، وهی وإن كان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

------ ۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدين، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

۵۔ ابن حبان، الصحيح، ۱: ۱۷۸، رقم: ۵

(۱) ابن أثير جزری، النهاية، فی غريب الحديث والأثر، ۱: ۱۰۶

قد صلاها إلا أنه تركها ولم يحافظ عليها، ولا جمع الناس عليها؛ فمحافظة عمر رضی الله عنه، عليها وجمع الناس لها، وندبهم إليها، بدعة لكنها بدعة محمودة ممدوحة. وإن كانت فی خلاف ما أمر الله به ورسوله فهی فی حيّز الذم والإنكار؛ قال معناه الخطابی و غيره قلت: وهو معنی قوله صلی الله عليه وآله وسلم فی خطبته: "وشَرُّ الأمور محدثاتها وكل بدعة ضلالة"[(۱)] يريد مالم يوافق كتابا أو سنة، أو عمل الصحابة رضی الله عنهم، وقد بين هذا بقوله: "مَنْ سَنّ فِی الإسلام سُنَّةً حسنة كان له أجرها و أجر من عمل بها من بعده من غير أن ينقص من أجورهم شیء ومَن سنّ فی الإسلام سُنَّةً سيئة كان عليه وزرُها ووزر من عمل بها من بعده من غير أن ينقص من أوزارهم شیء".[(۲)] وهذا إشارة إلی ما ابتدع من قبيح و حسن۔[(۳)]

(۱) ۱۔ ابن ماجه، السنن، باب اجتناب البدع الجدل، ۱: ۱۸، رقم: ۴۶
۲۔ ابن حبان، الصحيح، ۱: ۱۸۶، رقم: ۱۰
۳۔ طبرانی، المعجم الكبير، ۹: ۹۶، رقم: ۸۵۱۸
۴۔ ابويعلی، المسند، ۴: ۸۵، رقم: ۲۱۱۱
۵۔ ديلمی، المسند الفردوس، ۱: ۳۸۰، رقم: ۱۵۲۹

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكوٰة، باب الحث علی الصدقه، ۲: ۷۰۵، رقم: ۱۰۱۷
۲۔ نسائی، السنن، كتاب الزكاة، باب التحريض علی الصدقه، ۵: ۵۵، ۵۶، رقم: ۲۵۵۴
۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمة، باب سن سنة حسنة أو سيئة، ۱: ۷۴، رقم: ۲۰۳
۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۳۵۷۔۳۵۹
۵۔ ابن حبان، الصحيح، ۸: ۱۰۱، ۱۰۲، رقم: ۳۳۰۸

(۳) قرطبی، الجامع لأحكام القرآن، ۲: ۸۷

”اور یہ (باجماعت نمازِ تراویح کا) عمل حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کے قول - نعمت البدعة هذه - کو تقویت دیتا ہے جو کہ اچھے کاموں میں سے تھا۔ وہ (اَعمال) محمود کاموں میں داخل ہیں اور وہ یہ ہے کہ بے شک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نمازِ تراویح کو پڑھا تھا مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے (باجماعت) ترک کر دیا اور اس کی محافظت نہیں فرمائی اور نہ ہی لوگوں کو اس کے لئے جمع کیا، پس (بعد میں مصلحتِ وقت کے تحت) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس (نمازِ تراویح) کی محافظت کی اور لوگوں کو اس کے لئے جمع کیا اور انہوں نے لوگوں کو اس کی ترغیب دی تو وہ بدعت ہوئی لیکن بدعتِ محمودہ اور ممدوحہ ہے اور اگر وہ بدعت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کے خلاف ہو تو وہ مقام ذم میں ہوگی اور یہ معنی خطابی اور دیگر نے بھی کیا ہے تو اِمام قرطبیؒ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ وہی معنی آقا علیہ السلام کے خطبہ سے بھی ثابت ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”وشر الأمور محدثاتها وكل بدعة ضلالة“ اور اس سے مراد وہ کام ہے جو کتاب وسنت اور عمل صحابہ کے موافق نہ ہو اور یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول سے بھی واضح ہوتی ہے کہ ”جس نے اسلام میں کسی اچھی چیز کی ابتداء کی اس کو اپنا اجر بھی ملے گا اور اس کے بعد جو لوگ اس کام کو کریں گے ان کے عمل کا اجر بھی اسے ملے گا اور ان کے اجر میں ذرّہ برابر بھی کمی نہیں ہوگی اور جس کسی نے اسلام میں کسی بری چیز کی ابتداء کی تو اس پر اپنی برائی کا وبال بھی ہوگا اور اس کے بعد اس پر عمل کرنے والوں کی برائی کا وبال بھی اس پر ہوگا اور ان کے وبال میں سے کوئی کمی نہ کی جائے گی“ اور یہ اشارہ اس کی طرف ہے جس نے کسی اچھے یا برے کام کی ابتداء کی۔“

۳۔ نمازِ جمعہ سے قبل دوسری اَذان

نماز جمعہ سے پہلے مساجد میں دوسری اَذان جو وعظ سے پہلے پڑھی جاتی ہے،

اس کا آغاز عہدِ عثمانی میں ہوا۔ **امام بخاریؒ** (۲۵۶ھ) نے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

أن التأذين الثاني يوم الجمعة أمر به عثمان بن عفّان حين كثر أهل المسجد۔(۱)

’’جمعہ کے دن دوسری اذان (یعنی وہ اَذان جو وعظ سے پہلے پڑھی جاتی ہے۔ یہ ترتیب میں پہلی اَذان ہے۔) کا حکم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دیا جب مسجد میں آنے والوں کی تعداد زیادہ ہوگئی۔‘‘

امام ابن ابی شیبہؒ (۲۳۵ھ) نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

قال الأذان الاول يوم الجمعة بدعة۔(۲)

’’ابن عمرؓ نے کہا کہ جمعہ کی پہلی اذان (یعنی وہ اَذان جو وعظ سے پہلے پڑھی جاتی ہے) بدعت ہے‘‘

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فيحتمل ان يكون قال ذلک علی سبيل الانكار، و يحتمل انه

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، کتاب الجمعه، باب الجلوس علی المنبر، ۱: ۳۱۰، رقم: ۸۷۳
۲۔ شمس الحق، عون المعبود، ۳: ۳۰۲
۳۔ وادیاشی، تحفة المحتاج، ۱: ۵۰۶، رقم: ۶۲۴
۴۔ شوکانی، نيل الاوطار، ۳: ۳۲۳

(۲) ۱۔ ابن ابی شيبه، المصنف، ۱: ۴۷۰، رقم: ۵۴۳۷
۲۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۲: ۳۹۴

يريد انه لم يكن فی زمن النبی ﷺ و کل ما لم يکن فی زمنه يسمی بدعة، لکن منها ما يکون حسنا و منها ما يکون بخلاف ذلک و تبين بما مضی ان عثمان أحدثه لاعلام الناس بدخول وقت الصلاة قياسا علی بقية الصلوات فالحق الجمعة بها و أبقی خصوصيتها بالاذان بين يدی الخطيب، و فيه استنباط معنی من الاصل لا يبطله۔[1]

’’ایک احتمال یہ ہے کہ یہ فرمان علی سبیل انکار ہو اور ایک احتمال یہ ہے کہ ان کی مراد یہ ہو کہ یہ عمل عہدِ رسالت مآب ﷺ میں نہیں تھا اور ہر وہ عمل جو دورِ نبوی میں نہ ہو اسے بدعت کہا جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان اَعمال میں سے کچھ اچھے ہوتے ہیں اور کچھ اِس کے برخلاف۔ سابقہ بحث میں وضاحت ہوچکی ہے کہ سیدنا عثمانؓ نے (زائد اَذان کا) یہ عمل دوسری نمازوں پر قیاس کرتے ہوئے لوگوں کو وقتِ صلوٰۃ کے آغاز کی اطلاع دینے کے لئے شروع کیا اور جمعہ کو اِس (اَذان) سے مختص کردیا او اِس اَذان کو خطیب کے سامنے دینے کی خصوصیت کو بھی باقی رکھا۔ اس سے یہ اِستنباط ہوتا ہے کہ یہ عمل معناً اَصل ہے اِس کا اِبطال نہیں کیا جائے گا۔‘‘

علامہ ابن رجب حنبلیؒ (۷۹۵ھ) جمعہ کی پہلی اذان کو بدعت حسنہ قرار دیتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

ومن ذلک أذان الجمعة الأوّل زاده عثمان لحاجة الناس إليه، و أقرّه علیٌّ واستمرّ عمل المسلمين عليه. وروی عن ابن عمر أنه

(۱) ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۲: ۳۹۴

قال: هو بدعة[۱] ولعله أراد ما أراد أبوه في قيام شهر رمضان۔[۲]

''اور اسی طرح جمعہ کی پہلی اذان ہے جس کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی ضرورت کے پیش نظر زیادہ کیا اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اس پر قائم رہے اور اس پر لوگوں نے عمل کرنا شروع کر دیا اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ (آپ نے جمعہ کی دوسری اذان کے بارے میں فرمایا کہ) وہ بدعت ہے۔ شاید ان کی مراد بھی وہی ہو جو ان کے والد کی قیامِ رمضان کے بارے میں تھی۔''

۴۔ قطعِ ید کی سزا کی معطّلی

اِسلام میں چوری کی سزا قطع ید ہے۔ سورۃ المائدہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

والسّارق والسّارقة فاقطعوا أيديهما۔[۳]

''اور چوری کرنے والا (مرد) اور چوری کرنے والی (عورت) سو دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک شخص نے بیت المال سے چوری کی جب معاملہ خلیفہء وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو آپ نے اس شخص کے ہاتھ کو کاٹنے سے منع کر دیا۔ **امام ابن أبی شیبہ** (۲۳۵ھ) اس واقعہ کی تفصیل نقل کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

ان رجلا سرق من بيت المال فكتب فيه سعد الى عمر فكتب عمر إلى سعد ليس عليه قطع له فيه نصيب۔[۴]

---

(۱) ۱۔ ابن ابی شیبة، المصنف، ۱: ۴۷۰، رقم: ۵۴۳۷
۲۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۲: ۳۹۴

(۲) ابن رجب حنبلی، جامع العلوم والحکم، ۳: ۲۵۲

(۳) المائدہ، ۵: ۳۸

(۴) ابن ابی شیبہ، المصنف، ۵: ۵۱۸، رقم: ۲۸۵۶۳

''ایک شخص نے بیت المال سے چوری کی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اس بارے میں لکھا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سعد کو لکھا کہ اس پر قطع ید نہیں ہے، کیونکہ بیت المال میں اس کا حصہ بھی ہے۔''

امام مالکؒ (۱۷۹ھ) ''مؤطا'' میں **کتاب الحدود** کے باب **ما لا قطع فیه** کے ذیل میں نقل کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرو الحضرمی اپنے ایک غلام کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے اور کہا:

إِقْطَعْ يَدَ غُلَامِي هٰذَا فَإِنَّهُ سَرَقَ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ مَاذَا سَرَقَ؟ فَقَالَ سَرَقَ مِرْأَةً لِامْرَأَتِي ثَمَنُهَا سِتُّونَ دِرْهَمًا فَقَالَ عُمَرُ: أَرْسِلْهُ فَلَيْسَ عَلَيْهِ قَطْعٌ خَادِمُكُمْ سَرَقَ مَتَاعَكُمْ۔(۱)

''میرے اس غلام کا ہاتھ کاٹ دیجئے کیوں کہ اس نے چوری کی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ چرایا کیا ہے؟ کہا کہ میری بیوی کا آئینہ چرایا ہے جس کی قیمت ساٹھ درہم ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو۔ اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ تمہارے ہی خادم نے تمہارے مال کی چوری کی ہے۔''

۵۔ چور کے قطعِ ید کی بجائے مالک کو دوگنا قیمت ادا کرنے کرنے کا حکم

اگرچہ اِسلام میں چوری کی سزا قطع ید ہے مگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر سیاستِ شرعیہ کے تحت بھوک کی وجہ سے چوری کرنے والے غلام کے ہاتھ کاٹنے کی بجائے اس کے مالک کو دوگنی قیمت ادا کرنے کا حکم دیا، واقعہ کی تفصیلات کچھ یوں ہیں:

حاطب بن ابی بلتعہ کے غلاموں نے قبیلہ مزنیہ کے ایک شخص کی اُونٹنی چرا

(۱) مالك، المؤطا، كتاب الحدود، باب مالا قطع فيه، ۲: ۸۳۹، رقم: ۱۵۲۸

لی۔ ان غلاموں کو جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا تو انہوں نے چوری کا اقرار کرلیا جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کثیر بن صلت کو حکم دیا کہ ان غلاموں کے ہاتھ کاٹ ڈالو۔ کثیر جب حکم کی تعمیل کے لیے غلاموں کے پاس گئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان غلاموں کو واپس بلا لیا اور فرمایا:

لو لا إنی أظن أنکم تجیعونهم حتی ان احدهم أتی ما حرم الله عزوجل لقطعت ایدیهم۔ (۱)

”اگر مجھے یہ نہ معلوم ہوتا کہ تم لوگ غلاموں (سے خوب کام لیتے ہو اور ان) کو بھوکا رکھتے ہو یہاں تک کہ اگر کوئی مجبور ہوکر حرام چیز کھالے تو وہ حلال ہوجائے تو میں یقیناً ان کے ہاتھ کاٹ ڈالتا۔“

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مزنی سے فرمایا کہ اونٹنی کی کیا قیمت ہو گی؟ انہوں نے جواب دیا چار سو درہم، پھر آپ نے غلاموں کے آقا حاطب کو آٹھ سو درہم ادا کرنے کا حکم دیا۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (۲۴۱ھ) سے ایک مرتبہ پوچھا گیا کہ لوگ بھوک سے دوچار ہوں، اور کوئی شخص مجبور ہوکر چوری کرے تو کیا اس وقت بھی آپ قطع ید کا حکم دیں گے؟ جواب میں فرمایا:

لا أقطعه اذا حملته الحاجة و الناس فی شدة و مجاعة۔ (۲)

”جب اس کو حاجت مجبور کرے اور لوگ بھوک و سختی کے دور سے گزر رہے ہوں تو ہاتھ نہ کاٹا جائے گا۔“

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے زمانۂ قحط میں بھی ہاتھ کاٹنے سے منع فرما دیا۔ آپ

(۱) بیهقی، السنن الکبری، ۸: ۲۷۸

(۲) ابن قدامه المقدسی، المغنی، ۹: ۱۱۸

نے فرمایا:

لا قطع فی عام سنة۔[1]

’’زمانۂ قحط میں قطع ید نہیں ہوگا۔‘‘

٦۔ عورتوں کو مسجد میں باجماعت نماز سے روکنا

حضور ﷺ کے عہدِ مبارک میں خواتین بھی آپ علیہ السلام کے ساتھ مردوں کے پیچھے کھڑی ہو کر باجماعت نماز میں شریک ہوتی تھیں۔ ’’صحیح بخاری‘‘ میں روایت ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

كُنَّ نِسَآءُ الْمُؤمِنَاتِ يَشْهَدْنَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ صَلَاةَ الْفَجْرِ، مُتَلَفِّعَاتٍ بِمَرُوْطِهِنَّ، ثُمَّ يَنْقَلِبْنَ إِلٰى بُيُوْتِهِنَّ حِيْنَ يَقْضِيْنَ الصَّلَاةَ، لَا يَعْرِفُهُنَّ أَحَدٌ مِنَ الْغَلَسِ۔[2]

’’ہم مسلمانوں کی عورتیں حضور علیہ السلام کے ساتھ نمازِ فجر میں شامل ہونے کی خاطر چادروں میں لپٹی ہوئی حاضر ہوا کرتی تھیں جب نماز سے فارغ ہو جاتیں تو اپنے گھروں کو واپس آ جاتیں اور اندھیرے کے باعث کوئی بھی انہیں پہچان نہیں سکتا تھا۔‘‘

اِمتدادِ زمانہ کی وجہ سے جب حالات بدل گئے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مشورہ سے عورتوں کا مردوں کے ساتھ مسجد میں باجماعت نماز پڑھنا بند کر دیا۔

(١) ابن قدامه المقدسی، المغنی، ٩: ١١٨

(٢) بخاری، الصحیح، کتاب مواقیت الصلاة، باب وقت الفجر، ١: ٢١٠، رقم: ٥٥٣

۷۔ مانعینِ زکوٰۃ سے قتال

حضور نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد بعض قبائل نے زکوٰۃ دینے سے اِنکار کر دیا۔ چناں چہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سیاستِ شرعیہ کے تحت ایسے لوگوں سے قتال کا حکم دیا جو مرکز کو زکوٰۃ ادا کرنے سے اِنکاری تھے۔ اگرچہ اِبتداءً حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے اس معاملے میں خلیفۂ وقت سے اِختلاف کیا لیکن جب اُنہیں بھی اِنشراحِ صدر نصیب ہوا تو انہوں نے کہا کہ حق وہی ہے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کیا۔ ''صحیح بخاری'' میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس واقعہ کی تفصیل کچھ یوں ہے:

لما توفی رسول اللہ ﷺ وکان أبوبکر رضی اللہ عنہ وکفر من کفر من العرب، فقال عمر رضی اللہ عنہ: کیف تقاتل الناس؟ و قد قال رسول اللہ ﷺ: ”أُمرت أن أُقاتل الناس حتی یقولوا: لا اله الا الله، فمن قالها فقد عصم منی ماله و نفسه إلا بحقه، و حسابه علی الله“ فقال والله لَأُ قاتلن من فرق بین الصلوة والزکوة، فان الزکوة حق المال، والله لو منعونی عناقا کانوا یؤدونها الی رسول الله ﷺ لقاتلتهم علی منعها. قال عمر رضی اللہ عنہ: فوالله ما هو الا ان قد شرح الله صدر أبی بکر رضی اللہ عنہ: فعرفت انه الحق۔ (۱)

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الزکوٰۃ، باب وجوب الزکوٰۃ، ۲: ۵۰۷، رقم: ۱۳۳۵

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول الله، ۶: ۲۶۵۷، رقم: ۶۸۵۵

۳۔ مسلم، الصحیح، کتاب الایمان، باب الأمر بقتال الناس حتی یقولوا لا اله إلا الله، ۱: ۵۱، رقم: ۲۰

۴۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب أمرت أن أقاتل، ۵: ۳، رقم: ۲۶۰۷

’’جب رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے تو عرب میں بعض قبائل مرتد ہوگئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ ان لوگوں سے کیسے لڑیں گے جب کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے لڑوں یہاں تک کہ وہ کہیں ’’نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ جس نے یہ کہہ لیا اس نے اپنا مال اور اپنی جان مجھ سے بچالی مگر حق کے ساتھ اور اس کا حساب اللہ لے گا۔‘‘ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خدا کی قسم میں ان سے لڑوں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرتے ہیں، کیونکہ زکوٰۃ مالی حق ہے۔ خدا کی قسم اگر انہوں نے رسی بھی روکی جو وہ رسول اللہ ﷺ کو ادا کرتے تھے تو میں اس کے روکنے پر بھی ان سے لڑوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا خدا کی قسم بات یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سینہ کھول دیا تھا اور انہوں نے جان لیا کہ حق یہی ہے۔‘‘

علامہ جلال الدین سیوطیؒ (۹۱۱ھ) بیان کرتے ہیں کہ اِبتدائی طور پر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ پر حیرت ہوئی اور اِسے اُنہوں نے اَمرِ رسول کے خلاف سمجھتے ہوئے خلیفۂ وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا:

يا خليفة رسول الله تألّف النّاس وارفُق بهم فإنّهم بمنزلة الوحش.

’’اے خلیفۂ رسول ﷺ تالیفِ قلب کے لیے لوگوں پر نرمی فرمایئے کیوں کہ یہ جانوروں کی مانند ہیں۔‘‘

۵۔ ابو داود، السنن، کتاب الزکاۃ، باب وجوبها، ۲: ۹۳، رقم: ۱۵۵۶

۶۔ نسائی، السنن، کتاب الزکاۃ، باب مانع الزکاۃ، ۵: ۱۴، رقم: ۲۴۴۳

۷۔ نسائی، السنن الکبری، ۲: ۲۸۰، رقم: ۳۴۳۲، ۳۴۳۵

۸۔ احمد بن حنبل، المسند، ۱: ۴۷، رقم: ۳۳۵

۹۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۴۵۰، رقم: ۲۱۷

۱۰۔ عبدالرزاق، المصنف، ۴: ۴۴، رقم: ۶۹۱۶

یہ سن کر خلیفۂ وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

واللہ لأجاهدنّهم ما استمسک السیف فی یدی، و إن منعونی عِقَالاً۔ (۱)

''جب تک میرے ہاتھ میں تلوار ہے بخدا زکوٰۃ نہ دینے والوں سے جہاد کروں گا یہاں تک کہ اگر مجھے اُونٹ کی نکیل دینے سے بھی اِنکار کریں۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حکمت و دانش دیکھ کر حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا:

فوجدته فی ذلک أمضی منی و أحزم و آدب النّاس علی أمور. (۲)

''حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو میں نے اس معاملہ میں اپنے سے بھی زیادہ مستعد تیار اور اَحکام جاری کرنے والا پایا ہے''۔

۸۔ جرمِ بدفعلی پر جلانے کی سزا

کسی فعلِ شنیع کو ختم کرنے اور اس کے اَثراتِ بد سے سماج کو بچانے کے لئے تعزیراً سخت سے سخت سزا بھی دی جا سکتی ہے۔ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لواطت کے ایک عادی مجرم کو آگ میں جلانے کا حکم دیا۔ **علامہ ابن حزم ظاہری** (۴۵۶ھ) اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے نقل کرتے ہیں کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص کے بارے میں لکھ کر بھیجا کہ

أنّه وجد فی بعض سواحل البحر رجلاً ینکح کما تنکح المرء ة.

''ساحلِ سمندر کے ایک علاقے میں ایک ایسا شخص ہے جس سے عورت جیسا فعل کیا جاتا ہے۔''

(۱) ہیثمی، مجمع الزوائد، ۶: ۲۲۰

(۲) سیوطی، تاریخ الخلفاء: ۴۷

صحابہ رضی اللہ عنہ سے مشورہ کے بعد انہوں نے یہ جواب دیا:

أن أحرقه بالنّار۔ (۱)

’’اس کو آگ میں جلا دیا جائے۔‘‘

۹۔ کتابیہ عورت سے نکاح کی ممانعت

یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ حالات و زمانہ کے بدلنے اور گردشِ زمانہ سے نئے نئے مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ ان بدلے ہوئے حالات میں اگر منصوص اَحکام کے ظاہر پر ہی اُمورِ حیات کو موقوف رکھا جائے اور اَحکامِ شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت کو نظر انداز کر دیا جائے تو لوگ سخت مشکلات میں مبتلا ہو جائیں گے۔ نصوصِ شرعیہ سے یقیناً حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی آگاہ تھے مگر تغیر پذیر حالات سے پیدا ہونے والے مسائل سے نپٹنے کے لیے اُنہوں نے حالات کی رعایت کے تحت مناسب تدابیر اِختیار کی تھیں۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے اِس مسئلے پر غور کریں کہ قرآن میں ہر کتابیہ عورت سے نکاح کی اِجازت موجود ہے۔ سورہ مائدہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَا اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْ اَخْدَانٍ۔ (۲)

’’اور (اسی طرح) پاکدامن مسلمان عورتیں اور ان لوگوں میں سے پاکدامن عورتیں جنہیں تم سے پہلے کتب دی گئی تھی۔ (تمہارے لیے حلال ہیں) جب کہ تم اُنہیں ان کے مہر ادا کر دو (مگر شرط) یہ کہ تم (انہیں) قید نکاح میں لانے

(۱) ۱۔ ابن حزم ظاہری، المحلی، ۱۱: ۳۸۱
۲۔ شوکانی، نیل الأطار، ۷: ۲۸۷
(۲) القرآن، المائدہ، ۵: ۵

والے (عفت شعار) بنو، نہ کہ (محض ہوس رانی کی خاطر) اعلانیہ بدکاری کرنے والے اور نہ خفیہ آشنائی کرنے والے۔‘‘

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سیاستِ شرعیہ کے تحت کتابیہ عورت سے نکاح کی ممانعت کر دی۔ اس مسئلہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے **امام ابوبکر جصاص** رحمۃ اللہ علیہ (۳۷۰ھ) نے یہ واقعہ نقل کیا ہے:

’’حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک یہودیہ سے نکاح کرلیا، جب اس کی اطلاع حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہوئی تو انہوں نے اس سے علیحدگی کا حکم دیا۔ حضرت حذیفہ نے لکھا کہ کیا وہ حرام ہے؟ اس پر عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں حرام تو نہیں کہتا لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ تم لوگ بدکار عورتوں کے جال میں پھنس جاؤ گے۔‘‘(۱)

۱۰۔ مؤلّفۃ القلوب کی شق کی معطّلی

تالیفِ قلب کے لئے زکوٰۃ دینے کا ثبوت قرآن حکیم میں موجود ہے، سورہ توبہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ۔(۲)

’’(بے شک صدقات) ایسے لوگوں کے لیے (بھی) ہیں جن کے دلوں میں اسلام کی الفت پیدا کرنا مقصود ہو۔‘‘

کمزور ایمان والوں کو زکوٰۃ کی مد سے دینا خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عیینۃ بن حصن رضی اللہ عنہ اور اَقرع بن حابس رضی اللہ عنہ کو مالِ زکوٰۃ بطورِ تالیفِ قلب دینے سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ:

(۱) اَبوبکر جصاص، احکام القرآن، ۲: ۳۲۴

(۲) القرآن، التوبہ، ۹: ۶۰

أنّ رسول الله ﷺ کان یتالّفکما و الإسلام یومئذ قلیل و أن الله قد أغنی الاسلام إذھبا فاجھدا جھدکما۔[1]

''رسول اللہ ﷺ تم دونوں کی اس وقت تالیف کیا کرتے تھے جب کہ اسلام کمزور تھا اور مسلمان تعداد میں کم تھے اب اللہ نے اسلام کو غنی کر دیا ہے تم لوگ جاؤ اور اپنی مالی جد و جہد کرو۔''

عیینہ بن حصن رضی اللہ عنہ اور اَقرع بن حابس رضی اللہ عنہ دونوں صحابی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا کہ اے خلیفہء رسول! ہمارے یہاں ایک بنجر زمین کا ٹکڑا ہے، جس میں نہ گھاس اُگتا ہے اور نہ کوئی آبادی ہے۔ اگر آپ یہ زمین ہمیں دے دیں تو شاید ہم اس میں کاشت اور زراعت کر لیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں وہ زمین دے دی اور ایک تحریر بھی لکھ دی۔ طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ یا کسی اور نے عیینہ بن حصن رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ہم سمجھتے ہیں کہ ان صاحب یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بھی اس معاملہ میں کوئی دخل ہوگا، اس لیے یہ تحریر ان کو پڑھا دی جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تحریر پڑھی تو کہا کہ کیا سب لوگوں کو چھوڑ کر یہ صرف تمہارے لیے ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ تحریر مٹا دی اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ جب آپ دونوں کی تالیف قلب کرتے تھے اس وقت اسلام کمزور تھا۔ جاؤ اور اب تم دونوں اپنی کوشش سے کماؤ۔[2]

تالیفِ قلب کے لیے زکوٰۃ دینے کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ مؤلفۃ القلوب کی زکوٰۃ سے مدد کرنا اس وقت ضروری تھا جب مسلمان کمزور تھے اور اس تالیف کا مقصد یہ تھا کہ ان کے شر سے بچا جائے اور ان کے قلوب کو مانوس کیا جائے۔

(۱) اَبو بکر جصاص، احکام القرآن، ۳: ۲۴

(۲) ۱۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۷: ۲۰

۲۔ ابن سلام، کتاب الاموال: ۲۷۶

۳۔ طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ۱۴: ۲۱۵

لیکن اب جب کہ مسلمان کثیر تعداد میں ہیں اور انہیں قوت و عزت حاصل ہے، تو اب کسی شخص کو تالیفِ قلب کی غرض سے مالِ زکوٰۃ میں سے دینا جائز نہیں ہے۔ خواہ وہ کفار کے شر سے مسلمانوں کو تحفظ دلانے کے لیے ہو یا نومسلم لوگوں کا دل موہنے کے لیے، دونوں صورتیں ناجائز ہیں۔(۱)

ابن قدامہ مقدسیؒ (۶۲۰ھ) نے ذکر کیا ہے کہ ایک مشرک حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کچھ مال لینے آیا لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے نہیں دیا اور فرمایا کہ اب جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کافر رہے۔ اس روایت کے الفاظ درج ذیل ہیں:

أن مشركا جاء يلتمس من عمر مالا فلم يعطه وقال من شاء فليؤمن ومن شاء فليكفر۔(۲)

’’ایک مشرک مال لینے کی غرض سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، آپ رضی اللہ عنہ نے اسے عطا نہ کیا اور فرمایا اَب جو چاہے اِیمان لائے اور جو چاہے کافر رہے۔‘‘

۱۱۔ مفتوحہ زمینوں کی تنظیم کے بارے میں فیصلہ

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہدِ مبارکہ میں مفتوحہ زمینوں کی تنظیم و تقسیم کے دو طریق رائج تھے:

۱۔ مفتوحہ زمین فوجیوں میں تقسیم کر دی جاتی۔

۲۔ اَصل باشندوں کے پاس رہنے دیا جاتا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مفادِ عامہ کی خاطر اس نظام کو وسعت دی۔ عراق اور شام فتح ہونے کے بعد مفتوحہ زمین اور جائیداد کے بارے میں مشورہ ہوا تو حضرت عمر

(۱) قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۸: ۱۸۱

(۲) ابن قدامہ، المغنی، ۶: ۳۲۷

رضی اللہ عنہ نے اپنی تجویز دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

”یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں یہ زمین آپ لوگوں میں تقسیم کر دوں اور بعد میں آنے والے لوگوں کو ایسی حالت میں چھوڑ دوں کہ اُن کا اس میں کچھ حصہ نہ رہے۔کیا آپ لوگوں کا یہ مقصد ہے کہ اس کی آمدنی ایک محدود طبقہ میں سمٹ کر رہ جائے اور نسلاً بعد نسلاً اسی طبقہ میں منتقل ہوتی رہے۔اگر میں نے ایسا کر دیا تو سرحدوں کی حفاظت کس مال سے کی جائے گی؟ بیواؤں اور حاجت مندوں کی کفالت کہاں سے ہوگی؟“

اگرچہ اس تجویز کی مخالفت بعض اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مثلاً حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ وغیرہ کی طرف سے ہوئی لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے معقول اِستدلال کے بعد صحابہ کی بھاری اکثریت نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تجویز کی حمایت کی۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنی تجویز دیتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

دعهم يكونون مادة للمسلمين فتركهم۔(۱)

”زمین کو اس حالت پر چھوڑ دیا جائے تاکہ مسلمانوں کے لئے مستقل آمدنی کا کام دے لہٰذا زمین کو (اس مقصد کے لئے) چھوڑ دیا گیا۔“

۱۲۔ تاجروں سے عشور کی وصولی

عہدِ فاروقی سے قبل تجارتی ٹیکس (چونگی) کا کوئی نظام نہیں تھا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ

(۱) ۱۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۹: ۱۳۴
۲۔ عسقلانی، فتح الباری، ۲: ۲۲۴
۳۔ عظیم آبادی، عون المعبود شرح سنن ابی داؤد، ۸: ۱۹۵
۴۔ حموی، معجم البلدان، ۳: ۲۷۵
۵۔ شوکانی، نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار، ۸: ۱۶۲

نے بدلتے ہوئے حالات اور بین الاقوامی تقاضوں کے تحت عشور کا نظام قائم کیا۔ زیاد بن حدیر اسدی بیان کرتے ہیں کہ میں پہلا شخص ہوں جسے عراق اور شام پر عشور وصول کرنے کے لیے مقرر کیا گیا، چنانچہ وہ بیان کرتے ہیں:

بعثنی عمر علی العشور وأمرنی أن لا أفتش أحداً۔(۱)

’’حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مجھے عشور وصول کرنے کے لیے بھیجا اور مجھے حکم دیا کہ میں کسی کی تلاشی نہ لوں۔‘‘

عشور وصول کرنے کے فیصلے کا محرک یہ تھا کہ جب مسلمان دوسرے ممالک میں تجارت کی غرض سے جاتے تو ان سے دس فی صد تجارتی ٹیکس لیا جاتا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی تجارتی ٹیکس مقرر کر دیا لیکن ٹیکس کی رقم میں حسبِ حال تفاوت کو ملحوظ رکھا گیا۔ مثلاً حربیوں سے دس فی صد، ذمیوں سے پانچ فصد اور مسلمانوں سے ڈھائی فی صد وصول کیا جاتا تھا۔ مزید برآں کسی قسم کی زیادتی اور سامان کی تلاشی سے بھی منع کر دیا گیا۔ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) ’’**تلخیص الحبیر**‘‘ میں زیاد بن حدیر کا قول نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا:

استعملنی عمر الخطاب علی العشور وأمرنی أن آخذ من تجار أھل الحرب العشر و من تجار أھل الذمة نصف العشر و من تجار المسلمین ربع العشر۔(۲)

’’حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مجھے عشور کی وصولی کے لیے عامل بنا کر بھیجا اور مجھے حکم دیا کہ میں حربی تجار سے دس فی صد، ذمیوں سے پانچ فصد اور

(۱) ۱۔ ابن ابی شیبہ، المصنف، ۴: ۲۱۶، رقم: ۱۰۵۷۲
۲۔ عظیم آبادی، عون المعبود، ۸: ۲۰۹
(۲) ابن حجر عسقلانی، **تلخیص الحبیر**، ۴: ۱۲۸

مسلمانوں سے ڈھائی فی صد وصول کروں‘‘

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس عمل سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ دین میں ہر نیا عمل ناجائز وحرام نہیں ہوتا بلکہ مصلحتِ وقت اور ضرورتِ زمانہ کے تحت بے شمار اُمور مباح، جائز اور مشروع ہوتے ہیں۔

۱۳۔ مجرم کے لئے شہر بدری کے حکم کی منسوخی

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زانی غیر شادی شدہ کے لئے سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی کا حکم دیا ہے۔ ’’صحیح بخاری‘‘ کی کتاب المحاربین میں ہے کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں اپنے زنا کے مرتکب بیٹے کا معاملہ لے کر حاضر ہوا اور عرض کیا: **اقض بیننا بکتاب اللہ** کہ یا رسول اللہ ہمارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ فرمائیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے بیٹے کی سزا سناتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وعلی إبنک جلد مائة وتغریب عام۔(۱)

’’تیرے بیٹے کو سو کوڑے لگائے جائیں گے، نیز ایک سال کے لئے جلاوطن کیا جائے گا۔‘‘

جلاوطنی کے حکم کو معطل کرنے کی تفصیل یہ ہے کہ جب ربیعہ بن امیہ بن خلف کو شراب پینے کے جرم میں سزا ہوئی اور اس کو شہر بدر کیا گیا تو وہ عیسائی ہوگیا اور رومیوں سے جا کر مل گیا۔ اس واقعہ کو **امام نسائی** (۳۰۳ھ) نے اپنی ’’السنن‘‘ میں روایت کیا ہے۔ حضرت سعید بن مسیّب بیان کرتے ہیں:

غرب عمر ربیعة ابن اُمیّة فی الخمر إلی خیبر فلحق بھرقل

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب المحاربین، باب الاعتراف بالزنا، ۶:۲۵۰۲، رقم: ۶۴۴۰

فتنصر فقال عمر لا غرب بعده مسلما۔[۱]

''حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ربیعہ بن اُمیہ کو شراب پینے کی وجہ سے خیبر کی طرف ملک بدر کر دیا۔ وہ بادشاہِ روم ہرقل کے پاس چلا گیا اور عیسائی ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آج کے بعد میں کسی شخص کو جلا وطن نہیں کروں گا۔''

۱۴۔ گھوڑوں اور غلاموں پر صدقہ لینے کا حکم

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گھوڑوں پر صدقہ مقرر نہیں فرمایا تھا۔ **امام بخاری** (۲۵۶ھ) اپنی ''الصحیح'' میں کتاب الزکوٰۃ، باب لیس علی المسلم فی فرسہ صدقۃ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لیس علی المسلم فی فرسه وغلامه صدقة۔[۲]

''مسلمان پر اس کے گھوڑے اور غلام کی زکوٰۃ نہیں ہے۔''

اسی طرح امام ترمذیؒ (۲۷۹ھ) أبواب الزکوۃ میں سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قَدْ عَفَوْتُ عَنْ صَدَقَةِ الخَيْلِ و الرّقيق۔[۳]

''میں نے تم سے گھوڑوں اور غلاموں کی زکوٰۃ معاف کر دی۔''

(۱) نسائی، السنن، کتاب الاشربة، باب تغريب شارب الخمر، ۸: ۳۱۹، رقم: ۵۶۷۶

(۲) بخاری، الصحیح، کتاب الزکوة، باب ليس على المسلم فی فرسه صدقة، ۲: ۵۳۲، رقم: ۱۳۹۴

(۳) ترمذی، السنن، ابواب الزکوة، باب ماجاء فی زکوة الذهب والورق، ۳: ۱۶، رقم: ۶۲۰

لیکن اِسلامی مملکت میں جب تجارت اور افزائش نسل کے لیے گھوڑوں کی کثرت ہوگئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی خواہش اور صحابہ کے مشورہ کے بعد ان پر صدقہ مقرر کر دیا۔ امام ابو جعفر طحاویؒ (۳۲۱ھ) ''شرح معانی الآثار'' میں نقل کرتے ہیں کہ حضرت حارثہ بن مضرب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

حججت مع عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ، فأتاه أشراف من أشراف أهل الشام، فقالوا: يا أمير المؤمنين، إنا قد أصبنا دوابّ و أموالاً، فخذ من أموالنا صدقة تطهرنا بها، و تكون لنا زكاة. فقال: هذا شيء لم يفعله اللذان كانا قبلي، و لكن انتظروا حتى أسأل المسلمين، فسأل أصحاب رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فيهم علي بن أَبي طالب رضی اللہ عنہ، فقالوا: حسن، و علي رضی اللہ عنہ ساكت لم يتكلم معهم. فقال: مالك يا أبا الحسن لا تتكلم؟ قال: قد أشاروا عليك، و لا بأس بما قالوا، إن لم يكن أمراً و اجباً ولا جزية راتبة يؤ خذون بها۔(۱)

''حضرت حارثہ بن مضرب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ حج کیا تو ان کے پاس شام کے کچھ معززین آئے، انہوں نے عرض کیا اے امیر المؤمنین! ہمارے پاس مال اور جانور ہیں، ہم سے صدقہ لے کر ہمیں پاک کیجئے۔ وہ ہمارے لئے زکوٰۃ ہوگی۔ آپ نے فرمایا یہ وہ کام ہے جو میرے پیش رو دونوں حضرات (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ) نے نہیں کیا، لیکن تم انتظار کرو تاکہ میں مسلمانوں سے پوچھ لوں۔ انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا ان میں حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ مسلمانوں نے کہا ٹھیک ہے (لے لیں)، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ خاموش تھے

(۱) طحاوی، شرح معانی الآثار، ۲: ۷۷

انہوں نے کوئی بات نہ کی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا اے ابوالحسن! آپ کو کیا ہوا، آپ گفتگو نہیں کرتے، اس پر انہوں نے فرمایا: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کو جو رائے دی ہے اور جو کچھ انہوں نے کہا ہے اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ یہ فرض نہ ہو اور نہ ہی بطور جزیہ لیا جائے۔‘‘

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أنّ عمر رضی اللہ عنہ کان یأخذ من الفرس عشرة، ومن البرذون خمسة۔(۱)

’’حضرت عمر رضی اللہ عنہ عربی گھوڑے پر دس اور عجمی پر پانچ درہم لیتے تھے۔‘‘

۱۵۔ بیت المال سے وظیفہ کا تقرر

اِبتداءً لوگ کسی خدمت کے عوض تنخواہ لینا پسند نہیں کرتے تھے۔ اسے زہد و ورع اور وقار کے خلاف سمجھتے تھے لیکن یہ بات ایک توسیع پذیر سلطنت کے اُصولِ اِنتظام اور اَمرِ تمدن کے خلاف تھی۔ عمال کی دیانتداری اور راست بازی قائم رکھنے کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی معقول تنخوائیں مقرر کیں۔ صوبہ داروں کی تنخواہ پانچ ہزار تک ہوتی تھی اور مالِ غنیمت اس کے علاوہ تھا۔ **علامہ ابن عبد البر** (۴۶۳ھ) ’’الإستیعاب فی معرفة الأصحاب‘‘ میں نقل کرتے ہیں:

لما فرض عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ للناس فرض لأُسامة بن زید خمسة آلاف و لإبن عمر ألفین فقال إبن عمر فضلت علی أُسامة وقد شهدت ما لم یشهد فقال إنّ أُسامة کان أحب إلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منک و أبوه أحب إلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من أبیک.(۲)

(۱) طحاوی، شرح معانی الاثار، کتاب الزکوة، باب الخیل، ۲: ۲۶

(۲) ابن عبد البر، الإستیعاب فی معرفة الأصحاب، ۱: ۷۶

’’جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی تنخواہیں مقرر کیں تو اُسامہ بن زید کا وظیفہ پانچ ہزار اور (اپنے بیٹے) ابن عمر کا دو ہزار مقرر کیا۔ اس پر ابن عمر نے عرض کیا کہ آپ نے مجھ پر اُسامہ کو ترجیح دی ہے حالانکہ جتنی جنگوں میں میں نے شرکت کی ہے اُس نے نہیں کی۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اُسامہ تمہاری نسبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زیادہ محبوب تھا اور اس کا باپ (زید بن حارثہ) تمھارے باپ کی نسبت آپ علیہ السلام کو زیادہ پیارا تھا۔‘‘

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب خود بھی اَمرِ خلافت میں مشغول ہو گئے تو انہوں نے صحابہ رضی اللہ عنھم کو بلا کر اپنے وظیفے کے بارے میں مشورہ کیا۔ ’’الطبقات الکبری‘‘ میں ابن سعدؒ (۲۳۰ھ) بیان کرتے ہیں:

و أرسل إلی أصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاستشارھم فقال قد شغلت نفسی فی ھذا الأمر فما یصلح لی منہ؟(۱)

’’حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کی طرف آدمی بھیجا اور مشورہ طلب کیا اور فرمایا آپ لوگوں نے مجھے اس اَمر (خلافت) میں مشغول کر دیا ہے اب میرے لئے اس (بیت المال) سے کس حد تک (وظیفہ) لینا جائز ہے؟‘‘

(۱) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۳: ۳۰۷

فصل سوم

تصور بدعت اور چند عصری نظائر و واقعات

۱۔ اسلامی حکومت کے قیام کا مسئلہ

۲۔ پختہ مساجد کی تعمیر کا مسئلہ

۳۔ قرآن کا ترجمہ و تفسیر

۴۔ دینی علوم وفنون کی تنظیم و تدوین

دینِ اسلام میں حکمت و مصلحت وہ دائمی اُصول ہے جو اسے زمانوں اور معاشروں کے بدلتے ہوئے حالات اور زندگی کے نئے تقاضوں سے ہم آہنگ رکھتا ہے اور ان کی تکمیل کے ذریعے معاشرے کو ابدالا باد تک تحرک اور تسلسل عطا کرتا ہے، اسی اصول کے باعث اسلامی نظامِ حیات میں جمود پیدا نہیں ہونے پاتا۔ یہی اُصول اسلامی احکام کی دائمی اور متحرک عملیّت اور لا یزال مطابقیت برقرار رکھتا ہے جس سے اس نظام کی تازگی ہمیشہ قائم رہتی ہے ۔اس ضمن میں تصورِ بدعت کی مزید تفہیم کے لے چند شہادتیں عصری نظائر و واقعات کے تناظر میں پیش کی جاتی ہیں تا کہ یہ واضح کیا جا سکے کہ اسلام عصری ضروریات و حالات کی رعایت کرتے ہوئے قیامت تک کے لیے تمام انسانوں کی حاجات کی کفایت کرتا ہے۔

ا۔ اسلامی حکومت کے قیام کا مسئلہ

شریعت نے اِس اَمر کو تو ضروری قرار دیا کہ مسلمانوں کی نمائندہ حکومت ہونا چاہیے لیکن اس کا انتخاب کس طرح ہو، حکومت کی تشکیل کس نظام کے تحت کی جائے، اس کے اِدارے کس طرح وجود میں آئیں اور پھر ان میں اختیارات کی تقسیم کس اُسلوب پر ہو؟ ان تفصیلات کے متعلق بالعموم شریعت نے خاموشی اختیار کی ہے۔ کیونکہ ہر مسلمان ریاست اپنی صوابدید کے مطابق جو نظام ضروری سمجھے اسے اِختیار کرنے کی مجاز ہے۔

اِسی طرح طرزِ انتخابات کی طرح طرزِ حکومت کو بھی اُمت کی اجتماعی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ آپ وفاقی نظام حکومت قائم کریں یا وحدانی، پارلیمانی طرز کا نظام نافذ کریں یا صدارتی، اِس کو خلافت کا نام دیں یا امارت کا، اسلام اور شریعتِ محمدی ﷺ کو

اس سے کوئی سروکار نہیں اگر نظامِ حکومت اسلامی قواعدِ مشاورت کے مطابق ہے تو وہ اسلامی ہے ورنہ غیر اسلامی، خواہ زمامِ اقتدار انتہائی مذہبی طبقے کے ہاتھ میں ہی کیوں نہ ہو۔

اِسلام میں چونکہ کوئی خاص طرزِ حکومت متعین نہیں ہے لہٰذا حضور نبی اکرم ﷺ نے اس اُمت میں ظہور پذیر ہونے والی مختلف حکومتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اوّل هذا الامر نبوة و رحمة ثم يكون خلافة و رحمة ثم يكون ملكا و رحمة ثم يكون إمارة و رحمة ثم يتكادمون عليها تكادم الحمير فعليكم بالجهاد و ان أفضل جهادكم الرباط و ان أفضل رباطكم عسقلان۔ (۱)

''اس دین کا اول نبوت اور رحمت ہے، پھر خلافت اور رحمت ہے، پھر ملوکیت اور رحمت ہے، پھر امارت اور رحمت ہے، پھر لوگ گدھوں کی طرح حکومت کو دانتوں سے کاٹیں گے، اس وقت تم پر جہاد لازم ہے اور تمہارا سب سے افضل جہاد سرحدوں کی نگرانی ہے اور تمہاری سب سے افضل سرحد عسقلان (۲) ہے۔''

اسی طرح آپ ﷺ نے اس اُمت میں بر سرِ اِقتدار آنے والے مختلف حکمرانوں کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

سيكون من بعدى خلفاء و من بعد الخلفاء أمراء ومن بعد الأمراء ملوك ومن بعد الملوك جبابرة ثم يخرج رجل من اهل بيتى يملأ الأرض عدلا كما ملئت جوراً ثم يؤمر القحطانى فوالذى

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الكبير، ۱۱: ۷۳، رقم: ۱۱۱۳۸
۲۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۵: ۱۹۰

(۲) قدیم فلسطینِ کبریٰ کا ایک شہر جو کہ صلیبی جنگوں میں ایک اہم عسکری مقام تھا۔ (المنجد فی الأعلام: ۳۷۴)

بعثنی بالحق ماھو دونہ۔[۱]

”حضور ﷺ نے فرمایا عنقریب میرے بعد **خلفاء** ہوں گے اور خلفاء کے بعد **امراء** ہوں گے، امراء کے بعد **ملوک** ہوں گے اور ملوک کے بعد **جابر حکمران** ہوں گے پھر میرے اہل بیت میں سے ایک ایسا شخص آئے گا جو زمین کو اسی طرح عدل و انصاف سے بھر دے گا جس طرح وہ اس سے قبل ظلم و ستم سے بھری ہوگی۔“

حضور نبی اکرم ﷺ کے اِن فرامین سے ثابت ہوتا ہے کہ اِسلام میں کسی خاص قسم کی حکومت متعین نہیں بلکہ بدلتے ہوئے حالات و زمانہ کے مطابق اس میں تبدیلی اور ترمیم بھی ہوسکتی ہے۔

۲۔ پختہ مساجد کی تعمیر کا مسئلہ

اِسلام کے دورِ اوائل میں پختہ مکانات بنانا ناپسند خیال کیا جاتا تھا لہٰذا مسجد کو بھی پختہ بنانا ناجائز تصور کیا جاتا رہا۔ اسی طرح دورِ نبوی میں مسجد کے محراب کا بھی رواج نہیں تھا۔ **علامہ نور الدین سمہودیؒ** (۹۱۱ھ) ”وفاء الوفاء“ میں ذکر کرتے ہیں کہ مساجد کے محراب حضور ﷺ اور خلفاء راشدین ﷡ کے دور میں نہ تھے بلکہ سب سے پہلے اسے عمر بن عبد العزیزؒ (۱۰۱ھ) نے بنوایا۔[۲] پھر جب اِسلامی سلطنت کی حدیں شرق و غرب تک

(۱) ۱۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۵: ۱۹۰
۲۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۲۲: ۳۷۴، رقم: ۹۳۷
۳۔ دیلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۵: ۴۵۶، رقم: ۸۷۳۱
۴۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۱۳: ۲۱۴
۵۔ ابن ابی حاتم الرازی، الجرح والتعدیل، ۲: ۴۹۴، رقم: ۲۰۲۹
(۲) ۱۔ سمہودیؒ، وفاء الوفاء، ۱: ۳۷۲
۲۔ عبد الحئی لکھنوی، فتاویٰ، ۱: ۱۰۸

پھیل گئیں، تہذیب و ثقافت اور رہن سہن کے طریقوں میں تبدیلیاں آ گئیں، لوگوں نے اپنی رہائش کے لئے بڑے بڑے کشادہ اور پختہ مکانات بنانا شروع کر دیئے۔ بنو اُمیہ اور بنوعباس کے دورِ حکومت اور مابعد اسلامی مملکت کے جاہ و جلال کے دور میں مسلمانوں نے عالی شان محلات تعمیر کرنا شروع کر دیئے تو علماءِ اُمت نے وقت کے تقاضوں کے مطابق اللہ کے گھروں کی تعمیر کو بھی اسی طرح نہ صرف جائز قرار دیا بلکہ عظمتِ اسلام کے پیشِ نظر ضروری قرار دیا۔

ایک اہم بات یہ ہے کہ دین کو اگر ظاہری لفظوں سے سمجھنے کی کوشش کی جائے تو اس سے (إلا ماشاء الله) گمراہی کے سوا کچھ نہیں ملتا، لیکن اگر دین کی اصل روح اور اس میں کارفرما حکمتوں پر غور کر کے اس کے احکام کو پرکھا جائے تو یہی دین ہدایت کا باعث بنتا ہے اور اس کا صحیح فہم پیدا ہوتا ہے۔

اگر مساجد کی تعمیر میں تبدیلی پر غور کیا جائے تو اس کی مصلحت یہ سمجھ میں آتی ہے کہ اُس وقت لوگوں کے اپنے گھر کچے ہوتے تھے لہٰذا اللہ کے گھر کا کچا ہونا باعثِ عار نہ تھا لیکن جب لوگوں کے اپنے مکانات پختہ محلات میں بدل گئے تو خانۂ خدا کی وجاہت اور ظاہری شان و شوکت کے پیشِ نظر پختہ اور خوبصورت مساجد کی تعمیر کا فتویٰ دے دیا گیا۔

۳۔ قرآن کا ترجمہ و تفسیر

اسی طرح قرآن کی تعلیمات کو لوگوں تک پہنچانے کے لئے ضروری تھا کہ اس کے تراجم اور تفاسیر بھی مختلف ممالک کے لوگوں کی زبان اور فہم کے مطابق ہوں لیکن دین کے بارے میں ظاہری الفاظ پر نظر رکھنے والا ناپختہ اور انتہا پسند جامد ذہن ہر دور میں ہونے والے نئے کام کی مزاحمت (Resistance) میں پیش پیش رہا ہے چنانچہ **حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ** (۱۱۷۶ھ) نے ہندوستان میں جب پہلی مرتبہ اسی ضرورت کے پیش

نظر قرآن حکیم کا ترجمہ فارسی میں کیا تو یہاں کے ظاہربین علماء نے ان کے خلاف بہت شور مچایا اور کفر و بدعت کے فتوے صادر کئے کہ قرآن کو عربی زبان سے فارسی میں منتقل کیا جا رہا ہے لیکن آنے والے وقت نے ثابت کر دیا کہ یہ نئی بدعت مصلحتِ وقت اور عین تقاضائے تبلیغ دین تھی جبکہ فتویٰ لگانے والے اس وقت اِس دینی مصلحت سے ناآشنا تھے۔

۴۔ دینی علوم وفنون کی تنظیم و تدوین

امام عزالدین بن عبد السلام السلمی الشافعیؒ (۶۶۰ھ) ''قواعد الاحکام فی مصالح الانام'' میں دینی علوم وفنون کی تدوین کو بدعتِ واجبہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

و للبدع الواجبة أمثلة منها الاشتغال بعلم النحو الذی یفهم به کلام اللہ تعالٰی و کلام رسول اللہ ﷺ، و ذٰلک واجب لان حفظ الشریعة واجب، ولایتأتیٰ حفظها الا بمعرفة ذٰلک، وما لایتمُّ الواجبُ الابه فهو واجبٌ، الثانی: حِفْظُ غریبِ الکتاب والسنة من اللغة، الثالث: تدوین اُصول الدین و اُصول الفقه، الرابع: الکلام فی الجرح والتعدیل، لتمییز الصحیح من السقیم، وقد دَلَّت قواعدُ الشریعة علی أنَّ حِفْظَ الشریعةِ فرض کفایة فیما زاد علی القَدْرِ المُتَعَیِّن ولا یتأتّی حفظ الشریعة الا بما ذکرناه۔(۱)

''بدعات واجبہ کی بعض مثالیں یہ ہیں: علم نحو کا پڑھنا جس پر قرآن وحدیث کا سمجھنا موقوف ہے، یہ اس لیے واجب ہے کہ علم شریعت کا حصول واجب ہے اور قرآن و حدیث کے بغیر علم شریعت حاصل نہیں ہوسکتا اور جس چیز پر کوئی واجب موقوف ہو وہ بھی واجب ہوتی ہے۔ دوسری مثال ہے قرآن اور حدیث

(۱) عزالدین، قواعد الأحکام فی مصالح الأنام، ۲: ۳۳۷ وأیضاً فی فتاوی العز بن عبدالسلام: ۱۱۶

کے معانی جاننے کے لئے علم لغت کا حاصل کرنا، تیسری مثال ہے دین کے قواعد اور اصول فقہ کو مرتب کرنا چوتھی مثال سندِ حدیث میں جرح اور تعدیل کا علم حاصل کرنا تا کہ صحیح اور ضعیف حدیث میں امتیاز ہو سکے اور قواعدِ شرعیہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اپنی ضروریات سے زیادہ علم شریعت حاصل کرنا فرض کفایہ ہے اور یہ علم مذکورالصدر علوم کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔‘‘

اگر ہر نیا کام جو عہدِ رسالت مآب اور عہدِ صحابہ میں متداول اور معمول بہ نہ تھا محض اپنے نئے ہونے کی وجہ سے ناجائز قرار پائے تو تعلیماتِ دین اور فقہ اسلامی کا بیشتر حصہ ناجائز کے زمرے میں آجائے گا اور اجتہاد کی ساری صورتیں، قیاس، استحسان، مصالح مرسلہ، استحصاب ، استدلال اور استنباط کی جملہ شکلیں ناجائز کہلائیں گی۔ اسی طرح دینی علوم وفنون مثلاً اُصولِ تفسیر، اُصول حدیث، فقہ و اُصولِ فقہ، ان کی تدوین، اور ان کو سمجھنے کے لئے صرف ونحو، بلاغت و معانی، منطق و فلسفہ اور دیگر معاشرتی و معاشی جملہ علومِ خادمہ جو فہمِ دین کے لئے ضروری اور عصری تقاضوں کے مطابق لابدی ہیں ان کا سیکھنا، سکھانا بھی حرام قرار پائے گا کیونکہ یہ سب علوم وفنون اپنی موجودہ شکل میں نہ عہدِ رسالت میں موجود تھے نہ ہی عہدِ صحابہ کرام میں، انہیں تو بعد میں ضرورت کے پیش نظر وضع اور مرتب کیا گیا۔ یہ تمام علوم وفنون اپنی ہیئت، اُصول، اِصطلاحات، تعریفات اور قواعد وضوابط کے اعتبار سے نئے ہیں اس لئے بلا شک وشبہ بدعتِ لغوی کے زمرے میں آتے ہیں۔ مزید برآں اگر ہر نیا کام بدعتِ شرعی اور ضلالت و گمراہی قرار پائے تو دینی مدارس کی مروجہ تعلیم و تدریس اور نصابات کا بیشتر حصّہ بھی گمراہی قرار پائے گا کیونکہ موجودہ درس نظامی کے نصابات کے مطابق درس و تدریس نہ تو حضور ﷺ کے زمانہ اقدس میں تھی اور نہ ہی اس طرح کسی صحابی نے تعلیم حاصل کی تھی۔ ان کا طریقہ نہایت سادہ تھا۔ وہ فقط قرآن و حدیث کا سماع کرتے اور اسے آگے روایت کرتے تھے۔

دین کی اصل روح کو سمجھنا ضروری ہے

اسلام کے ساتھ یہ المیہ رہا ہے کہ سطح بینی سے اس کا مطالعہ کرنے والے چھوٹی چھوٹی باتوں کو کفر و اِیمان کا مسئلہ بنا لیتے ہیں اور دین کی اصل روح اور اس میں کارفرما وسیع تر مفاد اور حکمت کو نظر اَنداز کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نوجوان نسل جن کے سامنے دین کی اصل روح نہیں رکھی جاتی بلکہ لفظوں کی ہیرپھیر سے دین کو متعارف کرایا جاتا ہے، روز بروز اسلام سے دور ہوتی چلی جا رہی ہے۔ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ صرف اس لئے کہ کہیں تو ذاتی مفادات کے پیش نظر اور کہیں نادانی کی بنا پر مذہبی ذمہ دار لوگوں نے (اِلا ماشاء اللہ) لفظی موشگافیوں سے دین کو دشوار بنا دیا ہے، جس سے نوجوان نسل بالعموم اور نیا تعلیم یافتہ طبقہ بالخصوص جو پہلے ہی مغربی تہذیب و ثقافت اور اس کی ذہنی وفکری یلغار کا نشانہ بنا ہوا ہے، دین سے دور ہوتا جا رہا ہے۔ اگر ہم صدقِ دل سے دین کے اُصول و قوانین اور شریعتِ اسلامیہ کے دلکش پہلو اس پریشان کن دور میں اپنے پیش نظر رکھیں تو کوئی وجہ نہیں کہ لوگ پھر سے عظمتِ اسلام کی بازیابی کے لئے کمربستہ نہ ہو جائیں۔

باب سوم

قرونِ اُولیٰ اور اِطلاقِ بدعت

قرونِ اُولیٰ میں اہلِ بدعت کا اِطلاق کن پر ہوتا تھا؟

قرونِ اُولیٰ میں مستحبات اور مستحسنات کی سطح کے اُمور پر بدعت کا اِطلاق نہیں ہوتا تھا

تابعین اور تبع تابعین اہل بدعت سے اجتناب کرتے تھے

قرونِ اولیٰ میں بدعت کا اِطلاق صرف کفریہ عقائد پر ہوتا تھا

قرونِ اُولیٰ میں اہلِ بدعت کا اِطلاق کن پر ہوتا تھا؟

قرونِ اُولیٰ میں گستاخانِ رسول، مخالفینِ صحابہ اور کفریہ عقائد کے حاملین کو اہلِ بدعت کہا جاتا تھا۔ متعدد اَحادیثِ مبارکہ اور آثارِ صحابہ اس بات پر شاہد عادل ہیں کہ دورِنبوی اور عہدِ صحابہ میں اُمورِ خیر اور اَعمالِ صالحہ کا اِجراء کرنے والوں کو اہلِ بدعت نہیں کہا جاتا تھا بلکہ اسکے برعکس بدعتی اُن کو کہا جاتا جو ''**فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ**''(۱) کے مخالف تھے اور جمہور اُمت کی اِتباع کی بجائے محدثات الاُمور اور اِختلافِ کثیر کے پیچھے پڑے رہتے۔ یہ وہ لوگ تھے جو سوادِ اعظم کی اِتباع کی بجائے اپنے خودساختہ عقائد کی بنا پر اُمت کی اِجتماعیت کو نقصان پہنچانے کا موجب بنتے۔ اِن اَہلِ بدعت اور فرقِ باطلہ کے درج ذیل معروف طبقات ہیں:

۱۔ خوارج

۲۔ مُرجئہ

(۱) ۱۔ ابو داود، السنن، کتاب السنۃ، باب فی لزوم السنۃ، ۴: ۲۰۰، رقم: ۴۶۰۷

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنۃ، ۵: ۴۴، رقم: ۲۶۷۶

۳۔ ابن ماجہ، السنن، مقدمہ، باب اتباع السنۃ الخلفاء الراشدین، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۱۷۸، رقم: ۵

۳۔ مُعتزلہ

۴۔ جَہمِیَّہ

۵۔ روافض و باطنیہ

۶۔ قدریہ

ا۔ خوارج

اِسلام کو اپنے اَوائل دور سے ہی جس بڑے اور پہلے فتنے کا سامنا کرنا پڑا اُسے فتنۂ خوارج کہتے ہیں۔ اگرچہ خارجیوں کا باقاعدہ آغاز سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ہوا لیکن اِن کی فتنہ پروری اور سازشوں کا آغاز بہت پہلے ہو چکا تھا۔ چنانچہ **علامہ ابن تیمیہ** (۷۲۸ھ) خوارج کو تاریخِ اسلام کی سب سے پہلی بدعت قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

فکان من اول البدع والتفرق الذی وقع فی هذه الأُمة بدعة الخوارج۔(۱)

''اس امت میں سب سے پہلی بدعت اور تفرقہ جو واقع ہوا وہ خوارج کی بدعت تھی۔''

دوسرے مقام پر علامہ ابن تیمیہ بیان کرتے ہیں کہ خوارج اہلِ بدعت میں سے وہ لوگ ہیں جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد سب سے پہلے خروج کیا۔ وہ اپنے فتاویٰ میں رقم طراز ہیں:

والنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انما ذکر الخوارج الحرورية، لأنهم أول صنف من أهل البدع خرجوا بعده؛ بل أولهم خرج في حياته فذكرهم لقربهم من زمانه۔(۲)

(۱) ابن تیمیہ، مجموع الفتاویٰ، ۱۲: ۴۷۰

(۲) ابن تیمیہ، مجموع فتاویٰ، ۲۸: ۴۷۶

”حضور ﷺ نے خوارجِ حروریہ کا ذکر کیا کیونکہ یہ اہل بدعت کا وہ طبقہ تھا جنہوں نے آپ ﷺ کے بعد سب سے پہلے خروج کیا، بلکہ ان کے پہلے طبقے نے آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ ہی میں خروج کیا تھا۔ لہٰذا آپ ﷺ نے اپنے زمانہ کے ساتھ ان کے قرب کی وجہ سے ان کا ذکر کیا۔“

فتنۂ خوارج کی اِبتدا کا تاریخی پس منظر یہ ہے کہ جنگ صفین (۳۷ھ/ ۶۵۷ء) کے بعد بالآخر فیصلہ کیا گیا کہ طرفین سے دو معتمد اشخاص کو حَکَم بنایا جائے جو قرآن و سنت کے مطابق کوئی ایسی تدبیر نکالیں جس سے لڑائی کا مستقل خاتمہ ہو سکے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت ابو موسیٰ عبداللہ بن قیس اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ حَکَم مقرر ہوئے اور طرفین سے عہد نامہ لکھا گیا جس کے نتیجہ میں لڑائی تھم گئی۔ اشعث بن قیس نے یہ عہد نامہ لیکر ہر ہر قبیلہ کے افراد کو سنانا شروع کر دیا۔ جب وہ قبیلہ بنی تمیم کے لوگوں کے پاس آئے جن میں ابو بلال کا بھائی عروہ بن ادیہ بھی تھا اور ان کو پڑھ کر سنایا تو عروہ نے بطورِ احتجاج یہ آواز بلند کی:

تحکمون فی أمر اللہ الرجال؟ لاحکم إلا للہ۔[(۱)]

”تم اللہ کے امر میں انسانوں کو حَکَم بناتے ہو؟ سوائے اللہ کے کسی کا حکم نہیں۔“

حضرت علی رضی اللہ عنہ جب صفین سے واپس کوفہ پہنچے تو ان کو خوارج کے اس عمل سے

(۱) ۱۔ طبری، تاریخ الامم و الملوک، ۳: ۱۰۴
۲۔ ابن ابی شیبۃ، المصنف، ۷: ۵۵۷، رقم: ۳۷۹۰۷
۳۔ ابن سعد، الطبقات الکبری، ۳: ۳۲
۴۔ خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ۱: ۱۶۰
۵۔ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ۳: ۱۹۶
۶۔ ابن جوزی، المنتظم، ۵: ۱۲۳
۷۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۶: ۶۱۹، رقم: ۳۴۱۵

آ گاہی حاصل ہوئی تو آپ نے فرمایا:

کلمة حق أريد بها باطل، إن سكتوا غممناهم و إن تكلموا حججناهم و إن خرجوا علينا قاتلناهم۔(۱)

’’بات تو حق ہے مگر مقصود اس سے باطل ہے۔ اگر وہ خاموش رہے تو ہم ان پر چھائے رہیں گے اور اگر انہوں نے کلام کیا تو ہم ان پر دلیل لائیں گے اور اگر وہ ہمارے خلاف نکلے تو ہم ان سے لڑیں گے۔‘‘

امام مسلمؒ (۲۶۱ھ) نے بعض الفاظ کے تغیر کے ساتھ مذکورہ روایت کو باب التحریض علی قتل الخوارج میں نقل کیا ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي رَافِعٍ مَوْلَى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ أَنَّ الْحَرُوْرِيَّةَ لَمَّا خَرَجَتْ وَهُوَ مَعَ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رضی الله عنه قَالُوا لَا حُكْمَ إِلَّا لِلّٰهِ قَالَ عَلِيٌّ رضی الله عنه: كَلِمَةُ حَقٍّ أُرِيْدَ بِهَا بَاطِلٌ....۔(۲)

(۱) ۱۔ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ۳: ۲۱۲، ۲۱۳

۲۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، ۳: ۱۱۴

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الزکوٰۃ، باب التحریض علی قتل الخوارج، ۲: ۷۴۸، رقم: ۱۰۶۶

۲۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۵: ۱۶۰، رقم: ۸۵۶۲

۳۔ ابن ابی شیبہ، المصنف، ۷: ۵۶۲، رقم: ۳۷۹۳۰

۴۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۵: ۳۸۷، رقم: ۶۹۳۹

۵۔ ابن ابی عاصم، السنۃ، ۲: ۴۵۳، رقم: ۹۲۷

۶۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۸: ۱۷۱، رقم:

۷۔ ابو نعیم أصبہانی، المسند المستخرج علی صحیح الإمام مسلم، ۳: ۱۳۴، رقم: ۲۳۷۸

’’رسول اللہ ﷺ کے غلام حضرت عبد اللہ بن ابی رافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حروریہ کا جس وقت ظہور ہوا تو وہ (یعنی حضرت عبد اللہ بن ابی رافع رضی اللہ عنہ) حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ اُن (خوارج) نے کہا: اللہ کے سوا کوئی حاکم نہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ حق بات ہے جس سے باطل کا ارادہ کیا گیا ہے۔‘‘

مختصر یہ کہ خوارج نے فوج کا ساتھ چھوڑ دیا اور حروراء کے گاؤں میں جا کر لوگوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف اُکسانا شروع کردیا وہ لوگوں کو پہاڑوں یا دوسرے شہروں کی طرف نکلنے کا مشورہ دیتے یہاںتک کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عمل کو **بدعة ضلالة** تک کہا گیا آخر کار ان لوگوں نے آپس کے مشورہ سے ’’**الحکم للہ**‘‘ کے اجراء کے لئے کوفہ سے نکل کر نہروان کے مقام کو پسند کیا اور سب وہاں جمع ہوگئے۔ خارجیوں کی تشدّد پسند اور فتنہ انگیز سرگرمیوں کو روکنے کے لیے حضرت علی اور اِن کے درمیان ۹ صفر ۳۸ ھجری کو نہروان کے مقام پر جنگ ہوئی جس میں خوارج کو ذلت آمیز شکست ہوئی۔

خوارج کی اَہم بدعات

۱۔ گناہِ کبیرہ کا مرتکب دائمی جہنمی ہے اور اس کا خون اور مال حلال ہے۔

۲۔ جس نے اپنے عمل اور غیر صائب رائے سے قرآن کی مخالفت کی وہ کافر ہے۔

۳۔ ظالم اور فاسق حاکم کے خلاف خروج لازم ہے۔

۴۔ وہ حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم اور ان کے متبعین سے مروی روایات کا انکار کرتے تھے۔

۵۔ اخبارِ اُحاد مثلاً اَحادیثِ رجم وغیرہ کا اِنکار کرتے تھے۔(۱)

(۱) ۱۔ عبد القاہر بغدادی، الفرق بين الفرق: ۷۳
۲۔ ابن تیمیہ، مجموع الفتاویٰ، ۱۳: ۳۱

خوارج کے کفریہ عقائد اور مسلمانوں کے خلاف ان کے ظالمانہ اور متعصّبانہ رویے کو بیان کرتے ہوئے علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

فکانوا کما نعتهم النبي ﷺ ''يقتلون اهل الاسلام ويدعون اهل الاوثان''(۱) وكفروا علي بن ابي طالب وعثمان بن عفان ومن والاهما. وقتلوا علي بن أبي طالب مستحلين لقتله. قتله عبدالرحمن بن ملجم المرادي منهم، وكان هو وغيره من الخوارج مجتهدين فى العبادة، لكن كانوا جهالاً فارقوا السنة والجماعة: فقال هؤلاء: ما الناس إلا مؤمن او كافر؛ والمؤمن من فعل جميع الواجبات وترک جميع المحرمات: فمن لم يكن كذلک فهو كافر: مخلد فى النار. ثم جعلوا كل من خالف قولهم كذلک. فقالوا: ان عثمان وعلياً ونحوهما حكموا بغير ما انزل الله، وظلموا فصاروا كفاراً۔(۲)

''وہ (خوارج) ایسے لوگ تھے جن کی صفت حضور ﷺ نے یہ بیان کی تھی کہ ''وہ اہلِ اسلام سے لڑیں گے اور بت پرستوں سے صلح رکھیں گے'' انہوں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور اُن کے

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأنبیاء، ۳: ۱۲۱۹، رقم: ۳۱۶۶
۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الزکوۃ، باب إعطاء المؤلفة، ۲: ۷۴۱، رقم: ۱۰۶۴
۳۔ ابو داود، السنن، ۴: ۲۴۳، رقم: ۴۷۶۴
۴۔ نسائی، السنن، ۵: ۸۷، رقم: ۲۵۷۸
۵۔ احمد بن حنبل، المسند، ۳: ۶۸، رقم: ۱۱۶۶۶
(۲) ابن تیمیہ، مجموع الفتاویٰ، ۷: ۴۸۱

پیروکاروں کی تکفیر کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خون کو مباح قرار دیتے ہوئے اُن سے جھگڑا کیا۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عبد الرحمٰن بن ملجم المرادی نے شہید کیا جو کہ خارجیوں میں سے تھا۔ یہ اور اِسکے علاوہ دیگر خوارج ''مجتہد فی العبادۃ'' تھے لیکن حقیقت میں وہ جاہل تھے انہوں نے سنت اور جماعت کو توڑا۔ان کے عقیدے کے مطابق اِنسان مؤمن ہو گا یا کافر۔ لہٰذا ان کے نزدیک مؤمن وہ ہے جو تمام واجبات پر عمل کرے اور تمام محرّمات کو ترک کرے۔ جو ایسا نہیں کرتا وہ کافر اور دائمی جہنمی ہے۔ پھر انہوں نے ہر اُس شخص کی اِسی طرح تکفیر کرنا شروع کردی جس نے ان کی مخالفت کی۔انہوں نے کہا کہ عثمانؓ، علیؓ اور ان کی طرح دیگر لوگوں نے اللہ کے نازل کردہ احکام کے خلاف حکومت کی اور ظلم کا اِرتکاب کیا ہے پس یہ سارے کافر ہو گئے۔''

اگر خوارج کے عقائد اور ان کی خصوصیات کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ خوارج نے نہ صرف سنت سے خروج کیا بلکہ مسلمانوں کے خون کو بھی مباح قرار دیا۔علامہ ابنِ تیمیہ خوارج کی اہم خصوصیات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ولهم خاصتان مشهورتان فارقوا بهما جماعة المسلمين وأئمتهم: أحدهما: خروجهم عن السنة، وجعلهم ماليس بسيئة سيئة، أو ماليس بحسنة حسنة، وهذا هو الذي أظهروه في وجه النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حيث قال له ذوالخويصرة التميمی: ''إعدل فإنک لم تعدل'' حتی قال له النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ''ويلک! ومن يعدل إذا لم أعدل؟[1] لقد

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، کتاب الأدب، باب ماجاء في قول الرجل ويلك، ۵: ۲۲۸۱، رقم: ۵۸۱۱
۲۔ مسلم، الصحيح، کتاب الزکاة، باب ذکر الخوارج و صفاتهم، ۲: ۷۴۴، رقم: ۱۰۶۴

خبت وخسرت إن لم أعدل'' فقوله: ''فانک لم تعدل'' جعل منه لفعل النبي ﷺ سفها وترک عدل، وقوله: ''اعدل'' أمر له بما اعتقده هو حسنة من القسمة التی لا تصلح، وهذا الوصف تشترک فيه البدع المخالفة للسنة، فقائلها لا بد أن يثبت مانفته السنة و ينفی ما أثبتته السنة، ويحسن ما قبحته السنة أو يقبح ما حسنت السنة، وإلا لم يکن بدعة. وهذا القدر قد يقع من بعض أهل العلم خطأ فی بعض المسائل؛ لکن أهل البدع يخالفون السنة الظاهرة المعلومة. والخوارج جوزوا علی الرسول نفسه أن يجور ويضل في سنته ولم يوجبوا طاعته متابعته، وإنما صدقوه فيما بلغه من القرآن دون ماشرعه من السنة التی تخالف۔بزعمهم ظاهر القرآن.

وغالب أهل البدع غير الخوارج يتابعونهم فی الحقيقة علی هذا: فانهم يرون أن الرسول لو قال بخلاف مقالتهم لما اتبعوه، کما يحکی عن عمرو بن عبيد فی حديث الصادق المصدوق، وإنما يدفعون [عن] نفوسهم الحجة: اما بردّ النقل: وإما بتأويل المنقول. فيطعنون تارة في الاسناد وتارة في المتن، وإلا فهم

------ ۳۔ نسائی، السنن الکبری، ۵:۱۵۹، رقم: ۸۵۶۰-۸۵۶۱، ۶:۳۵۵، رقم: ۱۱۲۲۰

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳:۶۵، رقم: ۱۱۶۳۹

۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۵:۱۴۰، رقم: ۶۷۴۱

۶۔ بیهقی، السنن الکبری، ۸:۱۷۱

۷۔ عبدالرزاق، المصنف، ۱۰:۱۴۶

ليسوا متبعين ولا مؤتمين بحقيقة السنة التى جاء بها الرسول، بل ولا بحقيقة القرآن.

الفرق الثانى فى الخوارج وأهل البدع: انهم يكفرون بالذنوب والسيئات. ويترتب على تكفيرهم بالذنوب استحلال دماء المسلمين وأموالهم و ان دار الاسلام دار حرب ودارهم هي دار الايمان. وكذلك يقول جمهور الرافضة؛ وجمهور المعتزلة؛ والجهمية؛ وطائفة من غلاة المنتسبة إلى أهل الحديث والفقه ومتكلميهم۔(۱)

’’خوارج کی دو مشہور خصوصیات ہیں جن سے انہوں نے مسلمانوں کی جماعت اور اِن کے اَئمہ میں تفرقہ پیدا کیا۔

’’اِن کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے سنت سے خروج کیا اور اُن اُمور کو گمراہی قرار دیا جو فی الحقیقت گمراہی نہیں تھے یا اُن اُمور کو حسنہ قرار دیا جو حسنہ نہیں تھے۔ یہ وہ خصوصیت ہے جس کا اظہار انہوں نے حضور ﷺ کے سامنے کیا جب ذوالخویصرہ تمیمی نے آپ ﷺ سے کہا: اعدل فإنک لم تعدل، یعنی آپ انصاف کریں، آپ نے انصاف نہیں کیا۔ اس پر حضور ﷺ نے اس سے فرمایا: ’’وَیْلَکَ، وَمَنْ یَعْدِلُ اِذَا لَمْ اَعْدِلْ؟ قَدْ خِبْتُ وخَسِرْتُ اِنْ لَمْ اَعْدِل‘‘ ’’یعنی تیری خرابی ہو، اگر میں انصاف نہ کروں تو اور کون انصاف کرے گا؟ اگر میں انصاف نہ کروں تو ناکام و نامراد رہ جاؤں گا‘‘۔ ذو الخویصرہ تمیمی نے اپنے قول ’’فإنک لم تعدل‘‘ سے حضور ﷺ کے فعل کو غیر معقول عمل اور ترکِ عدل پر محمول کیا۔ اسی طرح اس کے قول ’’اعدل‘‘ سے

---

(۱) ابنِ تیمیہ، مجموع فتاویٰ، ۱۹: ۷۲، ۷۳

اسکا اعتقاد یہ تھا کہ اسکی بات حسنہ ہے بہ نسبت (حضور ﷺ کی) اس تقسیم کے جو (اِس کے نزدیک) مبنی بر انصاف نہیں تھی (معاذ اللہ)۔ یہی وہ (خوارج کا) وصف ہے جو مبنی بر بدعت اور مخالفِ سنت ہے۔ اس عقیدے کا حامل بدیہی طور پر ایسی بات کا اِثبات کرتا ہے جس کی سنت نفی کرے اور ایسی بات کی نفی کرتا ہے جس کو سنت ثابت کرے۔ اسی طرح یہ ایسی بات کی تحسین کرتا ہے جس کو سنت قبیح جانے اور ایسی بات کو قبیح جانتا ہے جس کو سنت حسنہ جانے اگرچہ وہ بدعت نہ ہی ہو۔ اور اس رویہ کی وجہ سے بعض اہلِ علم سے بعض مسائل میں خطاء واقع ہوئی ہے۔ مزید برآں اہلِ بدعت (کی علامت یہ ہے کہ وہ) معروف و معلوم سنت کی مخالفت کرتے ہیں۔

’’خوارج نے بزعمِ خویش یہ جواز گھڑ لیا کہ اگر رسول بھی اپنی کسی سنت سے انحراف و اعراض برتے تو اسکی اطاعت واجب نہیں ہے۔ یہ (خوارج) صرف ان اُمور کی تصدیق کرتے جو ان کے پاس قرآن کی صورت میں پہنچتے اور اس مشروع سنت کا اِنکار کرتے جو ان کے زُعمِ باطل میں ظاہرِ قرآن کے مخالف ہوتی۔

’’خوارج کے علاوہ دیگر اہلِ بدعت کی اکثریت حقیقت میں اِن اُمور میں اِن کی متابعت کرتی ہے۔ اِن کی رائے میں اگر رسول بھی اپنے قول کے مخالف بات کرے تو اِس کی اتباع نہیں کی جائے گی۔ جیسا کہ عمرو بن عبید سے مروی روایت میں صادق و مصدوق کا ارشاد ہے۔ یہ اپنے آپ کو نقلی روایات کو رد کرنے یا منقول روایات کی تاویل باطلہ کرنے کی وجہ سے دلیل و حجت سے دور رکھتے ہیں۔ یہ کبھی سند میں طعن کرتے ہیں اور کبھی متن میں۔ حالانکہ نہ یہ اس حقیقی سنت کے متبعین اور اَمین ہیں جو رسول اللہ ﷺ لے کر آئے ہیں اور نہ ہی قرآن کے ماننے والے ہیں۔

''خوارج اور اہل بدعت میں دوسرا گروہ وہ ہے جو گناہوں اور معصیتوں پر تکفیر کرتا ہے اور اس بنا پر یہ مسلمانوں کا خون اور انکے اموال کو مباح گردانتے ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ دارالاسلام دارالحرب ہے اور انکے اپنے گھر دارالایمان ہیں۔ اسی طرح جمہور روافض، معتزلہ، جہمیہ اور غلو کرنے والوں کا ایک ایسا گروہ جو اپنے آپ کو حدیث، فقہ اور متکلمین کی طرف منسوب کرتا ہے، کا بھی یہی عقیدہ ہے۔''(۱)

۲۔ مُرجئة

مُرجئة مسلمانوں کا ایک ایسا فرقہ ہے جو یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ ایمان کا تعلق محض قول اور زبان سے ہے، عمل کا اس میں دخل نہیں۔ ان کے نزدیک ایمان مقدم ہے جبکہ عمل مؤخّر۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اگر وہ نماز نہ بھی پڑھیں اور روزہ نہ بھی رکھیں پھر بھی ان کا ایمان انہیں نجات دلا دے گا۔ وہ یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ ایمان کے ہوتے ہوئے گناہ کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا جس طرح کفر کے ہوتے ہوئے محض دعویٰ اطاعت کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا۔ امام ابو جعفر طبریؒ (۳۱۰ھ) ''تہذیب الآثار'' میں بیان کرتے ہیں کہ جب سفیان بن عیینہ سے مُرجئة کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا:

فأما المرجئة اليوم فهم قوم يقولون: الإيمان قول بلا عمل، فلا تجالسوهم، ولا تؤاكلوهم، ولا تشاربوهم، ولا تصلوا معهم، ولا تصلّوا عليهم۔(۲)

''آج کل مرجئہ ایسے گروہ کو کہا جاتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ''ایمان بغیر عمل

(۱) خوارج سے متعلق مزید تفصیلات کے لیے میری کتاب ''الإنتباه للخوارج والحروراء'' ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) طبری، تہذیب الآثار: ۶۹۵

کے محض قول کا نام ہے'' لہٰذا تم نہ تو ایسے لوگوں کیساتھ بیٹھو، نہ ان کے ساتھ کھاؤ پیو، نہ ان سے ملاقات کرو اور نہ ہی ان کی نمازِ جنازہ پڑھو''

مُرجئہ کے نزدیک ایمان فقط دل سے معرفتِ اِلٰہیہ کے حصول کا نام ہے۔ غالی مرجئہ کا عقیدہ ہے کہ معصیت اور اطاعت نہ نقصان پہنچاتی ہے اور نہ ہی فائدہ۔ نفسِ ایمان میں فاسق اور عاصی کا ایمان رسول ﷺ اور جبرئیل علیہ السلام کی طرح ہے۔ انہیں میں سے غیلان دمشقی ہے۔ بعد ازاں مرجئہ متعدّد فرقوں میں منقسم ہو گئے اور ہر فرقے نے دوسرے کو گمراہ قرار دیا۔ (۱)

علامہ عبدالقاہر البغدادیؒ (۴۲۹ھ) نے مرجئہ کے تین گرہوں کا ذکر کیا ہے:

۱۔ وہ جو ایمان اور اختیار میں ارجاء کی تعلیم دیتے تھے۔ اس گروہ میں غیلان ابو مروان الدمشقی اور ابوشمر محمد بن ابی شبیب البصری شامل تھے۔

۲۔ وہ جو ایمان اور جبر کے متعلق ارجاء کا عقیدہ رکھتے تھے۔

۳۔ وہ جو ایمان کو اعمال پر مقدم سمجھتے تھے۔ وہ نہ تو عقیدہ اختیار کے پیروکاروں میں شامل تھے اور نہ اہل جبر و قدر میں۔ آخر الذکر گروہ میں یونس بن عون، غسان، ابو ثوبان، ابومعاذ، اور بشر بن غیاث المریسی کے متبعین شامل ہیں۔ (۲)

۳۔ معتزلہ

اس فرقہ کی اِبتدا بنو اُمیہ کے دور میں ہوئی۔ اس کا بانی واصل بن عطاء تھا جو ۸۰ھ میں مدینہ میں پیدا ہوا اور ۱۳۱ھ میں ہشام بن عبد الملک کے زمانے میں فوت ہوا۔ یہ امام حسن بصریؒ (۱۱۰ھ) کے درس میں بیٹھتا تھا۔ (۳)

(۱) عبدالقاهربغدادی، الفرق بين الفرق: ۲۰۲

(۲) عبد القاهر البغدادی، اَلْفَرق بين الفِرقُ: ۱۹۱

(۳) ۱۔ ذهبی، ميزان الاعتدال، ۴: ۳۲۹

۲۔ ذهبی، سير أعلام النبلاء، ۵: ۴۶۵

علامہ عبد الکریم شہرستانیؒ (۵۴۸ھ) اپنی شہرہ آفاق کتاب ''الملَل و النِّحَل'' میں معتزلہ کی اِبتداء کے بارے میں بیان کرتے ہوئے نقل کرتے ہیں کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالی ایک دن اپنے حلقۂ درس میں بیٹھے طلبا کو پڑھا رہے تھے کہ ایک شخص نے کھڑے ہوکر کہا: جناب! ہمارے زمانے میں ایک ایسا گروہ (خوارج) پیدا ہوا ہے جس کا کہنا ہے کہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب کافر ہے۔ ان کے نزدیک کبیرہ گناہ کفر ہے اور اس کا مرتکب دین سے خارج ہو جاتا ہے۔ دوسرا گروہ (جو مُرجئہ کہلاتا ہے) اس بات کا قائل ہے کہ گناہِ کبیرہ کے مرتکب کو کافر قرار نہیں دیا جاسکتا۔ان کے نزدیک اِیمان کے ہوتے ہوئے گناہِ کبیرہ کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا کیونکہ ان کے مذھب میں عمل اِیمان کا جزو نہیں ہے لہٰذا اِیمان کے ہوتے ہوئے اسی طرح معصیت کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی جس طرح کفر کے ہوتے ہوئے اِطاعت کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ مختصر یہ کہ ان کے نزدیک اگر ایمان صحیح ہے تو گناہِ کبیرہ سے کفر لازم نہیں آتا۔ آپ ہماری اس حوالے سے کیا راہنمائی فرماتے ہیں؟(۱)

امام حسن بصریؒ اس بارے میں تفکر کرنے لگے۔ابھی جواب نہیں دے پائے تھے کہ واصل بن عطاء نے خود ہی کہا:

أنا لا أقول إنّ صاحب الكبيرة مؤمن مطلقًا ولا كافراً مطلقًا بل هو في منزلة بين المنزلتين لا مؤمن ولا كافر.ثم قام و إعتزل إلى اُسطوانة من اُسطوانات المسجد، يقرّر ما أجاب به على جماعة من أصحاب الحسن، فقال الحسن: إعتزل عنا واصل. فسمّي هو وأصحابه معتزلة۔(۲)

(۱) شہرستانی، الملَل و النِّحَل، ۱: ۶۰

(۲) ۱۔ شہرستانی، الملَل و النِّحَل، ۱: ۶۰

۲۔ ذھبی، سیر اعلام النبلاء، ۵: ۴۶۴

۳۔ عبد القاھر البغدادی، اَلْفَرق بین الفِرق، ۲۱، ۱۱۸

''میں یہ نہیں کہتا کہ کبائر کا مرتکب مطلقاً مومن ہوتا ہے یا مطلقاً کافر، بلکہ وہ ان دونوں درجات کے ما بین ہوتا ہے۔ یعنی نہ وہ مؤمن ہوتا ہے اور نہ کافر۔ پھر وہ کھڑا ہوا اور مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون کی طرف الگ ہوکر اِمام حسن بصریؒ کے تلامذہ میں اس عقیدے کی تلقین بھی شروع کر دی۔ اس پر امام حسن بصریؒ نے فرمایا: إعتزل عنا واصل یعنی واصل ہم سے الگ ہوگیا۔ اسی وجہ سے اسے اور اس کے ساتھیوں کو ''معتزلہ'' کہا جاتا ہے''

علامہ ابن منظور (۷۱۱ھ) نے معتزلہ کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے ''لسان العرب'' میں لکھا ہے:

زَعَمُوا اَنَّهُمُ اعْتَزَلُوا فِئَتَی الضَّلَالَة عندَهُمْ يَعْنُونَ اَهْلَ السُّنةِ وَ الْجَمَاعَةِ وَ الخَوَارِج۔[1]

''یعنی ان لوگوں کا خیال تھا کہ انہوں نے بقول ان کے گمراہ فرقوں یعنی اہل سنت اور خوارج سے علیحدگی اختیار کر لی ہے''۔

واصل بن عطاء اپنے سے ما قبل کی بدعتوں سے بھی متأثر تھا۔ اس نے اپنے سننے والوں کو درج ذیل بدعتوں کی دعوت دی۔

۱۔ اُمّتِ محمدیہ ﷺ میں سے جو فاسق ہے وہ کفر اور ایمان کے دو درجات کے درمیان ہے۔[2]

۲۔ مسئلہ قدر میں اس نے معبد الجہنی کی رائے کو اِختیار کیا مگر فرق صرف یہ ہے کہ یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اشیاء کے وقوع سے قبل اُن کو جاننے والا ہے مگر اَفعالِ شر کا صدور

(۱) ابن منظور، لسان العرب، ۱۱: ۴۴۰

(۲) ۱۔ ذھبی، سیر اعلام النبلاء، ۵: ۴۶۴

۲۔ الشہرستانی، **المِلَل و النِّحَل**، ۱: ۶۰

۳۔ عبد القاھر البغدادی، الفرق بین الفرق: ۱۱۸

اللہ کی مشیت اور ارادہ سے نہیں ہوتا۔ (۱)

۳۔ یہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی صفات کی نفی کا قائل تھا۔ (۲)

۴۔ اس کے نزدیک متحارب صحابہ میں سے ایک گروہ لا محالہ فاسق ہے اور یہ کہ ان میں سے کسی کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ (۳)

معتزلہ کا دوسرا اہم مسئلہ خلقِ قرآن کا تھا۔ یہ وہ ہنگامہ خیز مسئلہ تھا جس نے ایک صدی سے زائد عرصے تک عالمِ اسلام کو جدل و مناظرہ میں اُلجھائے رکھا۔ اس کو اَوّل اَوّل الجعد بن درہم نے پیش کیا۔ اس سے الجہم بن صفوان نے اخذ کیا اور ہارون الرشید کے عہدِ خلافت میں بشیر المریسی نے تقریباً چالیس سال تک اس کی باقاعدہ تبلیغ و اشاعت کی۔ ہارون الرشید اس کا مطلق حامی نہ تھا لیکن مامون نے نہ صرف اس کی حمایت و تائید کا بیڑا اُٹھایا بلکہ اس کو سرکاری عقیدہ قرار دے دیا اور اس کی مخالفت کرنے والے بڑے بڑے محدّثین و فضلاء کو سزا و تعزیر کا مستحق گردانا۔

۴۔ جَهْمِيَّه

اس فرقہ کا بانی ابو مُحرِز جَہم بن صَفوان (۱۲۸ھ) تھا جو قدیم زمانہ کے علماے الٰہیات میں سے تھا۔ یہ بنی راسب (جو ازد کا ایک خاندان ہے) کا مولیٰ تھا۔ ان کا ذکر الحارث بن سریج کے کاتب کے طور پر آتا ہے جس نے بنو اُمیہ کے خلاف بغاوت کی تھی اور ۱۱۶ھ/۷۳۴ء سے ۱۲۸ھ/۷۴۵ء تک مشرقی خراسان کے ایک حصے کا - بعض اوقات

(۱) ۱۔ عبد القاهر البغدادي، الفرق بين الفرق: ۱۱۷، ۱۱۹
۲۔ شهرستاني، الملل و النحل، ۱: ۵۸
(۲) ۱۔ عبد القاهر البغدادي، الفرق بين الفرق: ۱۱۷، ۱۱۹
۲۔ شهرستاني، الملل و النحل، ۱: ۵۸
(۳) ۱۔ عبد القاهر البغدادي، الفرق بين الفرق: ۱۱۷، ۱۱۹
۲۔ شهرستاني، الملل و النحل، ۱: ۵۸

ترکوں کے اشتراک میں - فرمانروا بھی رہا تھا۔ حارث بن سریج کی گرفتاری سے چند روز پہلے ۱۲۸ھ میں جہم بن صفوان کو گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا۔(۱)

جَہم بن صَفوان کے ذاتی خیالات کے حوالے سے یقیں کے ساتھ اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے ہندی فرقہ سُمَنِیَّه کے رد میں وجودِ باری تعالیٰ پر دلائلِ عقلیہ پیش کیے تھے۔(۲) اس کے علاوہ دیگر تصورات جو ان کی طرف منسوب کیے گئے ہیں وہ فرقۂ جہمیہ کے ہیں جس کا ذکر اس کی وفات کے ستّر سال بعد سننے میں آتا ہے۔(۳)

جہاں تک فرقۂ جہمیہ کے عقائد کا تعلق ہے تو انہوں نے عقیدۂ جبر کی اِنتہائی شکل کو اِختیار کیا جس کی رو سے اِنسانوں کی طرف فعل کی نسبت محض مجازی ہے جیسا کہ غروب ہونے میں سورج کا فعل محض مجازی ہے۔ اِن کا عقیدہ تھا کہ قرآن مخلوق ہے۔وہ اِس بات کا اِنکار کرتے تھے کہ اللہ کے لیے کوئی مستقل صفتِ علم ثابت ہے۔ان کے نزدیک حوادثِ دنیوی کا علم اللہ کو ان کے ظہور کے بعد ہوتا ہے۔بالعموم وہ تمام صفاتِ اِلٰہیہ کے علیحدہ وجود کا اِنکار کرتے تھے۔ اسی لیے ان پر ''تعطیل'' کا اِلزام عائد کیا گیا تھا یعنی وہ اللہ کو محض ایک مجرّد ہستی ٹھہراتے تھے جس کی وجہ سے اُنہیں ''معطّله'' بھی کہا جاتا تھا۔ قرآن میں جو صفات جیسے یَد، وَجه وغیرہ اللہ کی طرف منسوب کی گئی ہیں وہ ان کی عقلی تاویل کرتے تھے۔ اِیمان کے بارے میں اِن کے عقائد مُرجئه کے عقائد سے مماثل تھے۔(۴)

---

(۱) طبری، تاریخ الامم والملوک، ۲: ۱۵۷۰، ۱۵۷۷، ۱۵۸۳

(۲) احمد بن حنبل، الرد علی الجهمیه، ۵: ۳۱۳

(۳) طبری، تاریخ الامم والملوک، ۲: ۱۹۱۸

(۴) ۱۔ الأشعری، مقالات، ۱: ۲۷۹

۲۔ احمد بن حنبل، الرّد علیٰ الزّنادقة والجهمیة، ۵: ۳۱۳

۳۔ ذهبی، سیر اعلام النبلاء، ۶: ۲۶

۴۔ عبد القاهر البغدادی، الفرق بین الفرق: ۲۱۱، ۲۱۲

۵۔ روافض و باطنیہ

علامہ ابن جوزیؒ (۵۹۷ھ) ''تلبیس اِبلیس'' میں روافض کی اِبتداء اور ان کے عقائد کے بارے میں بیان کرتے ہوئے نقل کرتے ہیں:

کما لبس اِبلیس علی ھؤلاء الخوارج حتی قاتلوا علی ابن أبی طالب. حمل آخرین علی الغلو فی حبه. فزادوه علی الحد فمنهم من کان یقول هو الآله: ومنهم من یقول هو خیر من الأنبیاء. ومنهم من حمله علی سب أبی بکر وعمر حتی إن بعضهم کفر أبا بکر وعمر۔(۱)

''جس طرح اِبلیس نے خوارج کو گمراہ کیا حتی کہ انہوں نے سیدنا علیؓ سے جھگڑنا شروع کر دیا اسی طرح اس نے بعض دوسرے لوگوں کو حضرت علیؓ کی محبت میں غلو کی وجہ سے راہِ ھدایت سے دور کر دیا۔ چنانچہ یہ لوگ حبِ علیؓ میں حدود سے بڑھ گئے ان میں سے بعض لوگوں نے حضرت علیؓ کو اِلٰہ اور بعض نے خیر من الأنبیا اور بعض دوسروں نے حضرت ابو بکرؓ وعمرؓ کو سبّ وشتم کرنا شروع کر دیا۔''

علامہ اِبراہیم حلبیؒ (۹۵۶ھ) ''غنیة المستملی شرح منیة المصلی'' میں غالی روافض کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و أما لو کان مؤدیا الی الکفر فلا یجوز أصلاً کالغلاة من الروافض الّذین یدعون الاُلوهیة لعلی رضی الله عنه أو أن النبوة کانت له فغلط جبرائیل و نحو ذالک ممّا هو کفر و کذا من یقذف الصدیقة أو ینکر صحبة الصدیق أو خلافته أو یسبّ شیخین۔(۲)

(۱) ابن جوزی، تلبیس اِبلیس: ۹۷

(۲) حلبی، غنیة المستملی شرح منیة المصلی: ۴۸۰

''اگر ان (روافض) کی بدعت ان کو کفر تک پہنچا دے تو پھر ان کے پیچھے نماز بالکل جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ وہ غالی روافض جو حضرت علی ﷛ کے لیے اُلوہیت کے مدعی ہیں یا جو کہتے ہیں کہ نبوت حضرت علی ﷛ کے لیے تھی اور جبرائیل سے غلطی ہوگئی یا اِس قسم کے اور عقائد رکھتے ہیں جو کفر ہیں یا اِسی طرح جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائے یا جو حضرت ابو بکر صدیق ﷛ کی صحابیت یا خلافت کا اِنکار کرے یا جو حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو سبّ و شتم کرے۔''

علامہ ابن عابدین شامیؒ (۱۳۰۶ھ) ''رد المحتار علی در المختار'' میں روافض کے کفریہ عقائد کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لا شک فی تکفیر من قذف السیدة عائشة رضی اللہ عنہا أو أنکر صحبة الصدیق ﷛ أو إعتقد الألُوهیة في علي أو أن جبرائیل غلط فی الوحي أو نحو ذالک من الکفر الصریح المخالف للقرآن۔(۱)

''اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر قذف کرے وہ کافر ہے یا جو حضرت ابو بکر صدیق ﷛ کی صحابیت کا انکار کرے یا حضرت علی ﷛ کو خدا مانے یا جو وحی لانے میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کی غلطی مانے وہ کافر ہے یا جو شخص قرآن کریم کی صریح مخالفت کرے وہ کافر ہے''

ہم گذشتہ اَبواب میں قدرے تفصیل اور شرح و بسط کے ساتھ بیان کر چکے ہیں کہ ''محدثات الامور'' اور إحداث و بدعات سے مراد ایسے فتنے ہیں جو اِرتداد پر مبنی ہوں اور دین کی بنیادی تعلیمات کو مسخ کرنے یا ان سے اِنکار کا موجب ہوں۔ مزید برآں

(۱) ابن عابدین شامی، ردّ المحتار علی درّ المختار، ۴: ۲۳۷

ان میں سے ہر فتنہ ''خروج عن الاسلام'' اور ''ارتداد'' کا باعث بنے۔ اور ''اِختلافِ کثیر'' بن کر اُمت کے اِتحاد کو پارہ پارہ کر دے۔ اِحداث و بدعت کے اس مفہوم کی روشنی میں وہ لوگ جو:

- حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اُلوہیت کا عقیدہ رکھیں۔
- وحی لانے میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کی غلطی مانیں کہ وحی تو حضرت علی پر لانی تھی مگر وہ غلطی سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لے آئے۔
- قرآنِ مجید میں تحریف یا ترمیم کا عقیدہ رکھیں۔
- جو اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر قذف کریں۔
- یہ عقیدہ رکھیں کہ حضور علیہ السلام کے وصال کے بعد تین چار صحابہ کے سوا سب صحابہ مرتد ہو گئے تھے۔
- جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحابیت کا انکار کریں۔

ان سب کا کفر قطعی اور یقینی ہے کیونکہ مذکورہ کفریہ عقائد سے اَساسِ دین میں اِس قدر تغیر اور بگاڑ واقع ہو جاتا ہے کہ ان سے دین کی شکل بگڑ جاتی ہے جس کے نتیجے میں اِسلام سے اِخراج یا اِرتداد لازم آتا ہے۔

علامہ ابن جوزی روافض کے عقائد و احوال بیان کرنے کے بعد **باطنیہ** کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الباطنية قوم تستروا بلإسلام ومالوا إلى الرفض وعقائدهم وأعمالهم تباين الإسلام بالمرة فمحصول قولهم تعطيل الصانع وإبطال النبوة والعبادات وإنكار البعث ولكنّهم لا يظهرون هذا فی اول أمرهم.بل يزعمون أنّ الله حق وأنّ محمداً رسول الله

والدّين صحيح لکنهم يقولون لذٰلک سرّ غير ظاهر وقد تلاعب بهم إبليس فبالغ وحسّن لهم مذاهب مختلفة۔[(۱)]

’’باطنیہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو اِسلام کو چھپاتے ہیں اور اس کے اِنکار کی طرف راغب ہیں۔ ان کے عقائد و اعمال کلی طور پر اسلام کے خلاف ہیں۔ مثلاً ان کے عقیدے کے مطابق کائنات کے خالق کی حیثیت معطل ہے۔ مزید برآں وہ نبوت، عبادات، اور بعثت کا اِبطال کرتے ہیں لیکن وہ اِبتدائی طور پر اس اَمر کا اِظہار نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں کہ اللہ حق ہے، محمد ﷺ اللہ کا رسول ہے اور دین صحیح ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ ایک سرّ اور غیر ظاہر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شیطان نے انہیں دھوکے میں رکھا اور مختلف گمراہ مذاہب حسین کر کے دکھائے۔‘‘[(۲)]

۶۔ قدریہ

کفار و مشرکین اپنے شرک اور اَعمالِ فاسدہ کو جواز فراہم کرنے کے لیے تقدیر کا سہارا لیتے تھے۔ ایسے لوگوں کے بارے میں قرآنِ حکیم میں اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَوْشَآءَ اللهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ.[(۳)]

’’اگر اللہ چاہتا تو ہم اس کے سوا کسی بھی چیز کی پرستش نہ کرتے، نہ ہی ہم اور

(۱) ابن جوزی، تلبیس اِبلیس: ۱۰۲

(۲) باطنیہ اور اس کے دیگر فرقِ باطلہ کی تفصیلات کے لیے عبد القاہر بغدادی کی ’’الفرق بين الفِرق (ص: ۱۱۴)‘‘، ابن تیمیہ کی ’’مجموع الفتاوی (۲۸: ۴۶۸۔۴۸۴) اور ابو زہرہ کی ’’تاریخ المذاهب الإسلامية (ص: ۴۴۔۵۹)‘‘ ملاحظہ فرمائیں۔

(۳) القرآن، النحل، ۱۶: ۳۵

نہ ہمارے باپ دادا، اور نہ ہم اس کے (حکم کے) بغیر کسی چیز کو حرام قرار دیتے۔‘‘

ان کفّار و مشرکین کا مدعا یہ تھا کہ اگر اللہ کے نزدیک ہمارے یہ اعمال ناپسندیدہ ہوتے تو وہ سختی سے ہمیں ان سے منع کر دیتا اور ہم وہ کام کرنے کے قابل نہ رہتے۔ اللہ ﷻ نے اُن کے ان شبہات کا ردّ کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ٥ (1)

’’تو کیا رسولوں کے ذمہ (اللہ کے پیغام اور احکام) واضح طور پر پہنچا دینے کے علاوہ بھی کچھ ہے؟‘‘

اِرشادِ باری تعالیٰ کا مطلب یہ ہے کہ اے منکرینِ حق! معاملہ اس طرح نہیں ہے جس طرح تم گمان کرتے ہو کہ اللہ نے تمہیں ان اعمالِ باطلہ سے منع نہیں کیا بلکہ اس کے برعکس اُس نے تمہیں اِن اُمور سے سختی سے منع کیا ہے اور ان سے بچتے رہنے کی تاکید کی ہے۔ اس مقصد کے حصول اور پیغامِ حق کے اِبلاغ کے لیے اُس نے ہر اُمت اور اِنسانوں کے ہر طبقے میں اپنے رسول بھیجے۔ (2)

مشرکینِ قریش تقدیر کے بارے میں جھگڑا کرتے تھے اور اللہ کی عبادت اور اس کی وحدانیت کو ترک کرنے میں اسے حجت ٹھہراتے تھے۔ حضور ﷺ نے اپنے صحابہ اور اُمت کو قدریہ کے خیالات و نظریات سے دور رہنے اور ان سے قطع تعلقی کی تلقین کی ہے اور قدریہ کو اس اُمت کے مجوسی قرار دیا ہے۔ **اِمام اَبو داؤد** (275ھ) نے کتاب السنۃ میں نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ نے اِرشاد فرمایا:

القدرية مجوس هذه الأمة إن مرضوا فلا تعودوهم وإن ماتوا فلا

(1) القرآن، النحل، 16: 35

(2) ابنِ کثیر، تفسیر القرآن العظیم، 4: 193

تشهدوهم۔(۱)

’’قدریہ اس اُمت کے مجوس ہیں۔ اگر یہ بیمار ہو جائیں تو ان کی عیادت نہ کرو اور اگر مر جائیں تو ان کے جنازہ میں شریک نہ ہونا‘‘

مسئلہ قدر پر بحث وتمحیص کا آغاز دورِ صحابہ کے آخر میں عبد الملک بن مروان بن حکم (۸۶ھ) کے عہد میں ہوا۔(۲) پہلا شخص جس نے تقدیر پر کلام کیا **معبد الجهنی** تھا۔(۳) اِمام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ قدر پر سب سے پہلے بحث کا آغاز اہلِ عراق میں سے سوسن(۴) نامی شخص نے کیا جو پہلے نصرانی تھا پھر مسلمان ہوا اور اس کے بعد دوبارہ عیسائی ہو گیا۔ اس کے نظریات کو معبد الجہنی نے اِختیار کیا جسے عبدالملک بن مروان نے ۸۰ھ میں قتل کروا دیا تھا(۵) اور معبد الجہنی سے اس عقیدے کو غیلان بن مسلم الدمشقی نے لیا اور آگے پھیلایا۔(۶)

معتزلہ نے قدر کے حوالے سے یہ موقف اِختیار کیا کہ اللہ تعالی اَفعال العباد کو ان کے وقوع سے قبل جاننے والا ہے لیکن اَفعالِ شر اس کی مشیت اور تخلیق میں سے نہیں ہیں بلکہ یہ فقط بندوں کے اَفعال ہیں۔ اس کے بعد **قدریہ** کے کئی گروہ بن گئے اور ہر فرقہ دوسرے کی تکفیر کرنے لگا۔(۷)

---

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، کتاب السنة، باب في القدر، ۴: ۲۲۲، رقم: ۴۶۹۱
۲۔ ابن أبي عاصم، کتاب السنة، ۱: ۱۴۴
۳۔ أحمد، المسند، ۵: ۴۰۶

(۲) ذهبی، سیر أعلام النبلاء، ۴: ۲۶۴

(۳) ابن أثیر، الکامل فی التاریخ، ۴: ۷۵

(۴) ابن حجر عسقلانی، تهذیب التهذیب، ۱۰: ۲۲۶

(۵) ذهبی، العبر فی خبر من غبر، ۱: ۶۸

(۶) ۱۔ الالکائی، إعتقاد أهل السنة والجماعة، ۱: ۴۲۱، رقم: ۱۳۹۸
۲۔ ابن کثیر، البدایة والنهایة، ۹: ۳۴

(۷) عبد القاهر بغدادی، الفرق بین الفرق: ۱۱۴

معتزلہ کہتے تھے کہ عدلِ اِلٰہیہ کا تقاضا ہے کہ اگر انسان کے لئے سزا اور جزا کا مستوجب ہونا ضروری ہے تو اس کا اپنے اَفعال میں آزاد ہونا بھی ضروری ہے۔[1]

قرونِ اُولیٰ میں مستحبات پر بدعت کا اِطلاق نہیں ہوتا تھا

قرونِ اُولیٰ میں مستحبات اور مستحسنات یعنی نیکی اور بھلائی کے اُمور پر بدعت کا اِطلاق نہیں ہوتا تھا۔ حضور ﷺ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں ہی اِحداث و بدعت کے مفہوم اور اس کے دائرے کو متعین فرما کر واضح کر دیا تھا کہ کس سطح کے اُمور مُحدثات و بدعات ہوں گے اور کون سے نہیں۔ اگر ہر نئے کام کو اس کی ماہیئت، افادیت، مقصدیت اور مشروعیت کا تجزیہ کیے بغیر بدعت قرار دے کر مذموم تصور کر لیا جائے تو عہدِ خلافتِ راشدہ سے لے کر آج تک لاکھوں شرعی، اِجتہادی اور اجتماعی فیصلے، اَحکام، مذہبی رسوم اور معاملات معاذ اللہ ضلالت و گمراہی قرار پاتے اور ہمیشہ کے لئے دینی معاملات میں اِجتہاد واستحسان اور مصالح و استصلاح کا دروازہ بند ہو جاتا جس سے لامحالہ بدلتے ہوئے حالات میں اسلام کا قابل عمل ہونا بھی ناممکن ہو جاتا۔ پس اگر کوئی عمل نہ قرآن میں مذکور ہو اور نہ ہی رسول ﷺ نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہو اور بعدازاں اُمت کے صلحاء و علماء از خود کسی نئے عمل یعنی ''بدعت مباحہ'' کو اپنا لیں لیکن اس کا محرّک رضائے الٰہی کا حصول ہو تو إنما الاعمال بالنیات[2] کے تحت یہ بدعت بھی عند اللہ مقبول اور باعث اجر و ثواب قرار پا جائے گی، اسی کو بدعتِ حسنہ یا امرِ مستحسن کہتے ہیں۔

نیکی اور بھلائی کے چھوٹے چھوٹے اُمور پر بدعت اور اِحداث کا اِطلاق کرنا

---

(۱) الشہرستانی، الملل والنحل، ۱: ۵۴

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی إلی رسول اللہ ﷺ، ۱: ۳، رقم: ۱

۲۔ ابوداؤد، السنن، کتاب الطلاق، باب فیما عنی بہ الطلاق والنیات، ۲: ۲۷۲، رقم: ۲۲۰۱

۳۔ ابن ماجہ، السنن، کتاب الزھد، باب النیۃ، ۲: ۱۴۱۳، رقم: ۴۲۲۷

بذاتِ خود محدثۃ اور ضلالۃ ہے۔ اِسی طرح دین کے اُمورِ صالحات، نفلی عبادات اور خیرات وصدقات یہ سب نہ دین کی ضروریات میں سے ہیں اور نہ ہی ضروریاتِ دین میں اضافہ ہیں لہٰذا ایسے جملہ اُمور کو بدعت کہنا فتنہ پروری اور حکمتِ دین کے خلاف ہے، کیونکہ حضور ﷺ اور خلفاءِ راشدین نے دین میں اِحداث اور بدعت صرف فتنہء اِرتداد، فتنہء اِنکارِ زکوٰۃ اور فتنہء اِدعائے نبوت کی سطح کے اُمور کو کہا ہے اور اِس کے علاوہ دیگر تمام مستحبات ومستحسنات اور حسنات وصالحات کی تحسین کی ہے۔

ہر نئی چیز کو بدعت جان کر گمراہی پر محمول کرنا نہ صرف ایک غلط فہمی اور مغالطہ ہے بلکہ علمی وفکری اعتبار سے باعثِ ندامت اور قابلِ افسوس نقطۂ نظر بھی ہے۔ اگر بدعت کے اس مفہوم کو گمراہی کا معیار قرار دے دیا جائے تو عصرِ حاضر اور اس کے بعد ہونے والی تمام علمی و سائنسی ترقی سے آنکھیں بند کر کے ملت اسلامیہ دوسری تمام غیر دینی، باطل اور طاغوتی اقوام وملل کے مقابلے میں عاجز ومحتاج اور عصری تقاضوں سے نابلد ونا آشنا ہو کر رہ جائے گی۔ وعدۂ خداوندی کے تحت دینِ اسلام کو تمام اَدیانِ باطلہ پر غالب کرنے اور اسلامی تہذیب و ثقافت، مذہبی اقدار اور نظامِ حیات میں برتری اور اِرتقاء کے حصول کی تمام کوششیں غیر مؤثر ٹھہریں گی۔ دین کی اِسی حکمت کے پیشِ نظر قرونِ اُولیٰ میں اِجتہادی اور اِستحبابی نوعیت کے نئے اُمور پر بدعتِ ضلالت کا اِطلاق نہیں ہوتا تھا بلکہ ضرورت و مصلحتِ دین کے تحت ایسے اِجتہادات کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اس حوالے سے چند نظائر و واقعات ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ جمع وتدوینِ قرآن کے لیے جب حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے خلیفۂ وقت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ حالات کا تقاضا ہے کہ قرآن کو فوری طور پر ایک کتابی صورت میں یکجا کر دیا جائے تاکہ اس کی حفاظت کا مستقل انتظام ہو سکے تو اِبتداءً سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ذہن فوراً اس طرف گیا کہ جو کام حضور ﷺ نے اپنی زندگی میں نہیں کیا وہ میں کیوں کروں لہٰذا انہوں نے فرمایا: كيف أفعل شيئا؟ ما لم يفعله رسول الله

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم؟[1] (میں ایسا کام کیسے کرسکتا ہوں جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں کیا؟)۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بصیرت افروز نگاہیں اُس حکمت و مصلحت اور بھلائی کا مشاہدہ کر رہی تھیں جو جمعِ قرآن میں مضمر تھی، لہٰذا انہوں نے جواب دیا: اے امیرالمومنین! درست ہے کہ یہ کام ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بوجوہ اپنی ظاہری حیاتِ مقدسہ میں نہیں کیا لیکن هو و الله خير[2] (اللہ کی قسم! یہ بہت اچھا اور بھلائی پر مبنی ہے)، لہٰذا ہمیں اسے ضرور کرنا چاہیے۔

اس گفتگو کے دوران سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو انشراح صدر نصیب ہوا لہٰذا انہوں نے جب حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کو جمعِ قرآن کے بارے میں فرمایا تو ابتدائی طور پر ان کے ذہن میں بھی وہی سوالات پیدا ہوئے جو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ذہن میں ابھرے تھے لہٰذا کہنے لگے: كيف تفعلان شيئا؟ لم يفعله النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقال: أبوبكر هو والله خير[3] (آپ وہ کام کس طرح کرتے ہیں جس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں کیا؟ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم یہ بہتر کام ہے)۔

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب التفسیر، باب قوله لقد جاءكم رسول، ۴: ۱۷۲۰، رقم: ۴۴۰۲
۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب الاحکام، باب یستحب للکاتب أن یکون امیناً عاقلاً، ۶: ۲۶۲۹، رقم: ۶۷۶۸
۳۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب التفسیر، باب من سورة التوبة، ۵: ۲۸۳، رقم: ۳۱۰۳
۴۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۵: ۷، رقم: ۲۲۰۲
۵۔ احمد بن حنبل، المسند، ۱: ۱۳، رقم: ۷۶
۶۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۰: ۳۶۰، رقم: ۴۵۰۶
۷۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۵: ۱۴۶، رقم: ۴۹۰۱

(۲) ایضاً

(۳) بخاری، الصحیح، کتاب التفسیر، باب قوله لقد جاءكم رسول، ۴: ۱۷۲۰، رقم: ۴۴۰۲

مذکورہ حدیث مبارکہ میں اہم بات یہ ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اس سوال پر کہ **کیف تفعلان شیئاً لم یفعله النبی** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کوئی جواب نہیں دیا اور نہ ہی اس کام کے نیا ہونے کا انکار کیا ہے بلکہ ان کے سوال کے جواب میں حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ دہرائے کہ ’’ھو واللہ خیر‘‘ اس سے یہ ثابت ہوا کہ **قرونِ اُولیٰ میں ہر وہ نیا کام جو مبنی بر حکمت و مصلحت اور موافقِ دین ہوتا نہ صرف اسے جائز تصور کیا جاتا بلکہ ایسے اُمور کا بجا لانا سنت صحابہ رضی اللہ عنہم بھی تھا۔**

۲۔ اَحادیثِ مبارکہ میں مذکور ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں رمضان المبارک میں تین راتیں نمازِ تراویح با جماعت پڑھائی۔ اس کے بعد فرض ہوجانے کے خوف سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساری زندگی گھر میں ہی پڑھتے رہے اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی انفرادی طور پر اپنی اپنی نمازِ تراویح پڑھ لیتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہدِ مبارک کے بعد سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اڑھائی سالہ دور خلافت میں بھی صحابہ کا یہی معمول رہا۔ جب سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت آیا اور آپ نے دیکھا کہ رمضان المبارک میں لوگ مختلف شکلوں میں نمازِ تراویح ادا کر رہے ہیں۔ تو اس خیال سے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کے اندر مساجد کو آباد کرنے کا ذوق بھی کم ہوسکتا ہے اور اگر صورتحال یہی رہی تو عین ممکن ہے کسی وقت لوگ نمازِ تراویح پڑھنا ہی ترک کر دیں، چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے اس قصد کو پختہ فرما کر سب کو حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پیچھے جو حافظِ قرآن تھے نماز تراویح با جماعت پڑھنے کے لئے مجتمع فرمایا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عبد القاریؒ بیان کرتے ہیں کہ میں جب دوسری رات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکلا تو دیکھا کہ لوگ اپنے قاری کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے، یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

نعم البدعة هذه والتی ینامون عنها أفضل من التی یقومون یرید

آخر الليل و كان الناس يقومون أوّله۔ (۱)

’’یہ کتنی اچھی بدعت ہے اور رات کا وہ حصہ جس میں لوگ سو جاتے اس سے بہتر وہ حصہ ہے جس میں وہ قیام کرتے ہیں مراد رات کا آخری حصہ تھا جبکہ لوگ پہلے حصے میں قیام کرتے تھے۔‘‘

اس روایت میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خود ’’نعم البدعة هذه‘‘ فرما کر واضح کر دیا کہ دین میں ہر نیا کام بدعتِ ضلالہ نہیں ہوتا بلکہ بے شمار نئے اُمورِ حسنہ بھی ہوتے ہیں وگرنہ آج تک اُمتِ مسلمہ کے جو اَفراد رمضان المبارک کی بابرکت راتوں میں مساجد میں نمازِ تراویح کی صورت میں اکٹھے ہوکر قرآن سنتے ہیں یہ بھی ناجائز ہوتا مگر ہمیشہ یہ امر مستحسن رہا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ دورِ صحابہ میں مبنی بر خیر نئے اُمور کو اِستحسان کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اور ہر نئے عمل پر بدعت کا اِطلاق نہیں ہوتا تھا۔

۳۔ اِمام بخاریؒ (۲۵۶ھ) مساجد میں نمازِ جمعہ سے قبل جو دوسری اَذان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

أنّ التأذين الثاني يوم الجمعة أمر به عثمان بن عفّان حين كثر أهل المسجد۔ (۲)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب صلاة التراويح، باب فضل من قام رمضان، ۲: ۷۰۷، رقم: ۱۹۰۶
۲۔ مالك، المؤطا، ۱: ۱۱۴، رقم، ۲: ۲۵۰
۳۔ ابن خزيمة، الصحيح، ۲: ۱۵۵، رقم: ۱۱۰۰
۴۔ بیہقی، السنن الكبریٰ، ۲: ۴۹۳، رقم: ۴۳۷۹
۵۔ بیہقی، شعب الایمان، ۳: ۱۷۷، رقم: ۳۲۶۹

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الجمعه، باب الجلوس على المنبر، ۱: ۳۱۰، رقم: ۸۷۳
۲۔ شمس الحق، عون المعبود، ۳: ۳۰۲

’’جمعہ کے دن دوسری اذان (یعنی وہ اَذان جو وعظ سے پہلے پڑھی جاتی ہے۔ یہ ترتیب میں پہلی اَذان ہے۔) کا حکم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دیا جب مسجد میں آنے والوں کی تعداد زیادہ ہوگئی۔‘‘

علامہ ابن رجب حنبلیؒ (۷۹۵ھ) جمعہ کی پہلی اذان کو بدعت حسنہ قرار دیتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

ومن ذلک أذان الجمعة الأوّل زاده عثمان لحاجة الناس إليه، و أقرّه عليٌّ واستمرّ عمل المسلمين عليه. وروی عن ابن عمر أنه قال: هو بدعة، ولعلّه أراد ما أراد أبوه في قيام شهر رمضان۔(۱)

’’اور اسی طرح جمعہ کی پہلی اذان ہے جس کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی ضرورت کے پیش نظر زیادہ کیا اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اس پر قائم رہے اور اس پر لوگوں نے عمل کرنا شروع کر دیا۔ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے جمعہ کی دوسری اَذان کے بارے میں فرمایا کہ وہ بدعت ہے۔ شاید ان کی مراد بھی وہی ہو جو ان کے والد کی قیام رمضان کے بارے میں تھی (یعنی یہ نعم البدعة ہے)۔‘‘

مذکورہ بالا تینوں اُمور اگرچہ حیاتِ نبوی میں موجودہ صورت میں رواج پذیر نہیں تھے لیکن چونکہ مبنی بر خیر و حکمت تھے لہٰذا صحابہ و تابعین سے لے کر آج تک اَفرادِ اُمت ان پر عمل کرتے چلے آرہے ہیں اور اِن اُمورِ حسنہ پر کسی نے بھی کبھی بدعتِ ضلالت کا اِطلاق نہیں کیا۔

...... ۳۔ وادیاشی، تحفة المحتاج، ۱: ۵۰۶، رقم: ۶۲۴
۴۔ شوکانی، نیل الاوطار، ۳: ۳۲۳
(۱) ابن رجب حنبلی، جامع العلوم والحکم، ۳: ۲۵۲

تابعین اور تبع تابعین اہلِ بدعت سے اِجتناب کرتے تھے

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دینِ اسلام کے خلاف اِحداث و بدعت کے مرتکبین اور فتنہ پروروں کی شدید مذمت فرمائی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم تابعین اور تبع تابعین رحمھم اللہ تمام اپنے اپنے ادوار میں اَہلِ بدعت اور اَہلِ ہوا سے اجتناب کرتے تھے اور عام لوگوں کو بھی ان سے دور رہنے کی تلقین کرتے تھے۔ ذیل میں ہم نفسِ مضمون سے متعلق پہلے چند اَحادیثِ نبویہ پیش کریں گے پھر اس کے بعد اسی حوالے سے تابعین اور تبع تابعین کے اقوال درج کریں گے جس سے یہ حقیقت مترشح ہو جائے گی کہ اَخیارِ اُمت شروع سے ہی اہلِ بدعت سے اِجتناب کرتے چلے آرہے ہیں۔

۱۔ **امام بخاریؒ** (۲۵۶ھ) اور **امام مسلمؒ** (۲۶۱ھ) نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ اِرشاد نقل کیا ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نئے فتنے پیدا کرنے والے بدعتیوں کی مذمت کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

المدينة حرم ما بين عير إلی ثور فمن أحدث فيها حدثا أو اٰوی مُحدِثًا فعليه لعنة اللہ و الملٰئِكة و النّاس أجمعين لا يقبل منه يوم القيامة صرفٌ و لا عدلٌ۔(۱)

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب الفرائض، باب إثمّ من تبرّأ من مواليه، ۶: ۲۴۸۲، رقم: ۶۳۷۴
۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الحج، باب فضل المدينة، ۲: ۹۹۵، رقم: ۱۳۷۰
۳۔ ابو عوانه، المسند، ۳: ۲۳۹، رقم: ۴۸۱۲
۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۱: ۸۱، رقم: ۶۱۵
۵۔ ابو یعلی، المسند، ۱: ۲۲۸، رقم: ۲۶۳
۶۔ بیہقی، السنن الكبری، ۵: ۱۹۶، رقم: ۹۷۳۳

”مدینہ منورہ مقامِ عیر سے لے کر مقامِ ثور تک حرم ہے۔ جس نے اس میں کوئی فتنہ پیدا کیا یا کسی فتنہ پرور کو پناہ دی تو اس پر اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہے، قیامت کے روز نہ اس کا کوئی فرض قبول ہوگا اور نہ نفل“

۲۔ **اِمام ابن ماجہؒ** (۲۷۳ھ) نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اِرشاد نقل کیا ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دین میں نئے فتنے پیدا کرنے والوں کی کوئی عبادت قبول نہیں مزید برآں وہ دین سے ایسے خارج ہو جائیں گے جیسے گوندھے ہوئے آٹے سے بال نکال لیا جاتا ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

لا یقبل اللہ لصاحب بدعة صومًا و لا صلوٰةً و لا صدقةً و لا حجًّا و لا عمرةً و لا جهادًا و لا صرفًا و لا عدلًا یخرج من الاسلام کما تخرج الشّعرة من العجین۔(۱)

”اللہ تعالیٰ کسی فتنہ پرور کا روزہ، نماز، صدقہ، حج و عمرہ اور جہاد قبول نہیں کرتا اور نہ کوئی فرضی عبادت قبول کرتا ہے نہ نفلی، بدعتی اسلام سے ایسے خارج ہو جاتا ہے جیسے گوندھے ہوئے آٹے سے بال نکال لیا جاتا ہے۔“

۳۔ **اِمام ابو القاسم ہبۃ اللہ لالکائی** (۴۱۸ھ) نے عن هشام بن حسّان عن

۷۔ ابو نعیم اصبہانی، المسند المستخرج علی صحیح الأمام مسلم، ۴: ۴۰، رقم: ۳۱۷۳

۸۔ طیالسی، المسند، ۱: ۲۶، رقم: ۱۸۴

(۱) ۱۔ ابن ماجه، السنن، باب إجتناب البدع والجدل، ۱: ۱۹، رقم: ۴۹

۲۔ منذری، الترغيب و الترهيب، ۱: ۴۶، رقم: ۸۷

۳۔ کنانی، مصباح الزجاجة، ۱: ۱۰، رقم: ۱۸

۴۔ مناوی، فيض القدير، ۱: ۴۳

۵۔ مزی، تهذيب الكمال، ۲۶: ۳۷۴، رقم: ۵۵۸۳

الحسن کے طریق سے بھی اسی قسم کی ایک روایت نقل کی ہے۔(۱)

۴۔ **امام احمد بن حنبلؒ** (۲۴۱ھ) نے حضرت غضیف بن حرث الثمالی رضی اللہ عنہ سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ اِرشاد نقل کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ما أحدث قوم بدعة إلا رفع مثلها من السنّة فتمسّک بسنّة خير من إحداث بدعة۔(۲)

''جب کوئی قوم دین میں نیا فتنہ نکالتی ہے تو اس کے مثل ایک سنت اُٹھا لی جاتی ہے لہٰذا سنت کو مضبوط پکڑنا نیا فتنہ نکالنے سے بہتر ہے۔''

۵۔ **اِمام طبرانیؒ** (۳۶۰ھ) نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ حجب التوبة عن کلّ صاحب بدعة۔(۳)

---

(۱) لالکائی، إعتقاد اهل السنة والجماعة، ۱: ۸۰

(۲) ۱۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۰۵، رقم: ۱۷۰۹۵
۲۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۱: ۱۸۸
۳۔ منذری، الترغیب و الترهیب، ۱: ۴۵، رقم: ۸۳
۴۔ مناوی، فیض القدیر، ۵: ۴۱۳
۵۔ ابن رجب حنبلی، جامع العلوم والحکم، ۱: ۲۶۶
۶۔ عبد الباقی، معجم الصحابة، ۲: ۳۱۶، رقم: ۸۵۵

(۳) ۱۔ ابن راہویہ، المسند، ۱: ۳۷۷، رقم: ۳۹۷
۲۔ ابن ابی عاصم، السنة، ۱: ۲۱، رقم: ۳۸
۳۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۴: ۲۸۱، رقم: ۴۲۰۲
۴۔ بیہقی، شعب الایمان، ۷: ۵۹، رقم: ۹۴۵۷
۵۔ منذری، الترغیب و الترهیب، ۱: ۴۵، رقم: ۸۷
۶۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۱: ۱۸۹
۷۔ ابن جوزی، العلل المتناهية، ۱: ۱۴۵، رقم: ۲۱۱

’’اللہ تعالیٰ نے ہر فتنہ پرور پر توبہ کا دروازہ بند کر دیا ہے۔‘‘

۶۔ **امام بیہقیؒ** (۴۵۸ھ) نے ابراہیم بن میسر سے حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

من وقّر صاحب بدعة فقد أعان علی هدم الاسلام۔(۱)

’’جس نے کسی فتنہ پرور کی تعظیم و توقیر کی تو گویا اس نے اسلام کو گرانے پر اس کی مدد اور اعانت کی۔‘‘

۷۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا:

ان الذين فرقوا دينهم و كانوا شيعا انما هم اصحاب البدع و اصحاب الاهواء و اصحاب الضلالة من هذه الاُمّة. يا عائشة ان لكلّ صاحب ذنب توبة غير اصحاب البدع و اصحاب الاهواء ليس لهم توبة و انا برئ منهم و هم مِنّا بر آء۔(۲)

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۷: ۳۵
۲۔ بیہقی، شعب الایمان، ۷: ۶۱، رقم: ۹۴۶۴
۳۔ مناوی، فیض القدیر، ۶: ۲۳۷
۴۔ سیوطی، شرح سنن ابن ماجه، ۱: ۲۶۴، رقم: ۳۷۱۰
۵۔ ابو نعیم اصبہانی، حلیة الأولیا، ۵: ۲۱۸
۶۔ ابن حجر عسقلانی، تہذیب التہذیب، ۲: ۲۸۱، رقم: ۵۶۷
۷۔ ذهبی، میزان الإعتدال فی نقد الرجال، ۲: ۷۳، رقم: ۱۳۳۱

(۲) ۱۔ أبو نعیم اصبہانی، حلیة الاولیا، ۴: ۱۳۸
۲۔ ابن ابی عاصم، السنة، ۱: ۸، رقم: ۴
۳۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۷: ۹۷
۴۔ شاطبی، الاعتصام، ۱: ۶۰

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش www.MinhajBooks.com

''جن لوگوں نے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کیا اور فرقوں میں بٹ گئے وہ اس اُمت کے فتنہ پرور، نفس پرست اور گمراہ طبقے ہیں۔ اے عائشہ رضی اللہ عنہا فتنہ پروروں اور خواہش پرستوں کے علاوہ ہر گنہگار کی توبہ قبول ہوتی ہے لیکن اِن کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ میں ان سے بیزار اور یہ مجھ سے بیزار ہیں۔''

۸۔ **حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما** (۶۸ھ) آیت - يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ[۱] - کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

تبيضّ وجوه أهل السنّة و تسودّ وجوه أهل البدعة۔[۲]

''روشن چہرے اہل سنت کے ہوں گے اور سیاہ چہرے اہل بدعت کے ہوں گے۔''

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما (۷۳ھ) نے بھی یہی اَلفاظ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کئے ہیں۔[۳]

۹۔ حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ، اِمام اَوزاعیؒ سے روایت کرتے ہیں کہ **حضرت عطا خراسانیؒ** نے فرمایا:

ما يكاد الله أن يأذن لصاحب بدعة بتوبة۔[۴]

---

(۱) آل عمران، ۳: ۱۰۶

(۲) ۱۔ دیلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۵: ۵۲۹

۲۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۴: ۱۰۷

۲۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۱: ۵۸۴

۴۔ سیوطی، مفتاح الجنۃ، ۱: ۶۵

(۳) قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۴: ۱۰۸

(۴) ۱۔ اللالکائی، إعتقاد اهل السنة والجماعة، ۱: ۸۱

۲۔ ابو نعیم اصبہانی، حلیۃ الأولیاء، ۵: ۱۹۸

۳۔ مزی، تہذیب الکمال، ۲۰: ۱۱۲

”اللہ تعالیٰ کسی فتنہ پرور کی توبہ کو قبول نہیں کرتا“

۱۰۔ یوسف بن اُسباط بیان کرتے ہیں کہ **محمد بن نصر الحارثیؒ** نے فرمایا:

من أصغی سمعه إلی صاحب بدعة، وهو يعلم أنه صاحب بدعة، نزعت منه العصمة، و وُکِل إلی نفسه۔[1]

”جو اپنے کان فتنہ پروروں کی باتیں سننے پر لگائے حالانکہ وہ جانتا ہو کہ وہ فتنہ پرور ہیں تو اُس سے حفاظت کا ہاتھ اُٹھا لیا جاتا ہے اور اُسے اسکے نفس کے حوالے کر دیا جاتا ہے“

۱۱۔ امام **حسن بصریؒ** (۱۱۰ھ) فرماتے ہیں:

لا تجالس صاحب بدعة فانّه يمرض قلبک۔[2]

”کسی فتنہ پرور کے پاس نہ بیٹھو کیونکہ وہ تمہارے دل کو بیمار کر دے گا۔“

۱۲۔ اسماعیل الطّوسی بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے **عبداللہ ابن مبارکؒ** (۱۸۱ھ) نے فرمایا:

يکون مجلسک مع المساکين، و إيّاک أن تجالس صاحب بدعة۔[3]

”تیری مجلس صرف مساکین کے ساتھ ہونی چاہیے، فتنہ پروروں کی مجالست سے بچو۔“

---

(۱) لالکائی، إعتقاد اهل السنة والجماعة، ۱: ۷۸

(۲) ۱۔ شاطبی، الاعتصام، ۱: ۸۳
۲۔ بیہقی، شعب الایمان، ۴: ۳۷۴

(۳) ۱۔ لالکائی، إعتقاد اهل السنة والجماعة، ۱: ۷۹
۲۔ بیہقی، شعب الایمان، ۷: ۶۴
۳۔ ابو نعیم اصبہانی، حلية الأوليا، ۸: ۱۰۴

۱۳۔ **امام اَوزاعیؒ** (۱۵۸ھ) بیان کرتے ہیں کہ یحییٰ بن ابی کثیرؒ نے فرمایا:

إذا لقيت صاحب بدعة في طريق، فخذ في غيره۔(۱)

’’جب تو کسی فتنہ پرور سے کبھی راستہ میں ملے تو راستے کو بدل لے۔‘‘

۱۴۔ حضرت **فضیل بن عیاضؒ** بدعتیوں سے دور رہنے اور ان سے رابطہ نہ رکھنے کی تلقین کرتے ہوئے اِرشاد فرماتے ہیں:

لا تجلس مع صاحب بدعة، أحبط الله عمله، و أخرج نور الإسلام من قلبه. وإذا أحب الله عبدًا، طيب له مطعمه. و قال صاحب البدعة لا تأمنه على دينک، ولا تشاوره في أمرک، ولا تجلس إليه، فمن جلس إلى صاحب بدعة، ورثه الله العمیٰ. و قال فی مقام آخر إنّ للهِ ملائكة يطلبون حلق الذكر، فانظر مع من يكون مجلسک: لا يكون مع صاحب بدعة، فإن الله لا ينظر إليهم، و علامة النفاق أن يقوم الرجل و يقعد مع صاحب بدعة. و قال أدركت خيار النّاس كلهم أصحاب سنة، و ينهون عن أصحاب البدع. و قال لا يرفع لصاحب بدعة إلى الله عمل۔(۲)

’’فتنہ پرور کے پاس مت بیٹھو کیونکہ اللہ تعالی نے اس کے عمل کو ضائع کر دیا ہے

(۱) ۱۔ لالکائی، إعتقاد اهل السنة والجماعة، ۱: ۷۹
۲۔ بیہقی، شعب الایمان، ۷: ۶۰، رقم: ۹۴۶۲
۳۔ ابو نعیم اصبہانی، حلية الأولیاء، ۳: ۶۹
۴۔ ذهبی، سیر أعلام النبلاء، ۶: ۲۹

(۲) ۱۔ لالکائی، إعتقاد اهل السنة والجماعة، ۱: ۷۹-۸۰
۲۔ ابو نعیم اصبہانی، حلية الأولیاء، ۸: ۱۰۳
۳۔ ذهبی، سیر أعلام النبلاء، ۸: ۴۳۵
۴۔ قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۷: ۱۳

اور اسلام کا نور اس کے سینے سے نکال دیا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اس کی خوراک کو پاک کر دیتا ہے ۔ مزید فرمایا کسی فتنہ پرور کو اپنے دین پر اَمین نہ بناؤ نہ اس سے مشورہ لو اور نہ اس کے پاس بیٹھو۔ کیونکہ جو کسی بدعتی کے پاس بیٹھا تو اللہ تعالیٰ اس کا حشر اَندھوں کے ساتھ کرے گا۔ دوسرے مقام پر فرمایا اللہ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو ہر وقت مجالسِ ذکر کی تلاش میں رہتے ہیں لہٰذا تو اس امر پر غور کر کہ تیرا ہم مجلس کون ہے۔ بدعتی کی مجالست اِختیار نہ کر کیونکہ اللہ تعالیٰ اس پر نظرِ کرم نہیں فرماتا۔ نفاق کی علامت یہ ہے کہ کسی کی نشست و برخاست بدعتی کے ساتھ ہو۔ مزید فرمایا کہ میں نے تمام اَخیارِ اُمت کو اُصحابِ سنت پایا ہے جو کہ بدعتیوں سے مجتنب رہنے کی تلقین کرتے تھے۔ فرمایا کہ بدعتی کا کوئی عمل قبولیت کے لیے اللہ کی طرف اُٹھایا نہیں جاتا‘‘

۱۵۔ علامہ ابنِ جریر طبری (۳۱۰ھ) بیان کرتے ہیں کہ حضرت **سفیان بن عیینہ** نے فرمایا:

كلّ صاحب بدعة ذليل و تلا هذه الآية ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ ذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾(۱)۔(۲)

’’ہر فتنہ پرور ذلیل ہے پھر استدلال میں یہ آیت پڑھی (بیشک جن لوگوں نے بچھڑے کو (معبود) بنالیا ہے انہیں ان کے رب کی طرف سے غضب بھی پہنچے گا اور دنیوی زندگی میں ذلت بھی)۔‘‘

۱۶۔ **امام حسن بصری** رضی اللہ عنہ (۱۱۰ھ) فرماتے ہیں:

(۱) الأعراف، ۷: ۱۵۲

(۲) ۱۔ ابنِ جریر طبری، جامع البیان عن تأویل أي القرآن، ۹: ۷۰

۲۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۲: ۲۹۵

۳۔ آلوسی، تفسیر روح المعانی، ۵: ۷۰

''فتنہ پرور کے چہرے پر بدعت کی وجہ سے ذلت برستی رہتی ہے، اگرچہ وہ دنیاوی شان وشوکت رکھتا ہو۔''(۱)

۱۷۔ **حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ** (۱۸۱ھ) فتنہ پروروں کی ظاہری نحوست بیان کرتے ہوئے اِرشاد فرماتے ہیں:

صاحب البدعة على وجهه الظلمة، وإن أدهن كل يوم ثلاثين مرّة۔(۲)

''فتنہ پرور کے چہرے پر ظلمت چھائی رہتی ہے اگرچہ وہ دن میں اسے تیس مرتبہ ہی تر کیوں نہ کرے۔''

۱۸۔ اِمام اَعمشؒ بیان کرتے ہیں کہ **حضرت ابراہیمؒ** نے فرمایا:

ليس لصاحب بدعة غيبة۔(۳)

''بدعتی کی (فتنہ پروری کو واضح کرنا) کوئی غیبت نہیں ہے۔''

۱۹۔ اسی طرح **امام حسن بصریؒ** (۱۱۰ھ) بیان فرماتے ہیں:

ثلاثة ليست لهم حرمة في الغيبة: أحدهم صاحب بدعة الغالي ببدعته۔(۴)

''تین افراد ایسے ہیں جن کی غیبت کرنا حرام نہیں ہے: ان میں ایک غالی بدعتی ہے جو اپنی بدعت میں بہت غلو کرنے والا ہے۔''

(۱) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۲: ۳۹۵
(۲) لالکائی، إعتقاد اهل السنة والجماعة، ۱: ۸۱
(۳) لالکائی، إعتقاد اهل السنة والجماعة، ۱: ۸۱
(۴) ۱۔ لالکائی، إعتقاد اهل السنة والجماعة، ۱: ۸۱
۲۔ بیہقی، شعب الایمان، ۷: ۱۱۰، ۹۶۶۹

۲۰۔ مؤمل بن اِسماعیل بیان کرتے ہیں کہ میں نے **حضرت سفیان ثوریؒ** (۱۶۱ھ) کو فرماتے ہوئے سنا:

المسلمون کلهم عندنا علی حالة حسنة إلا رجلین: صاحب بدعة، أو صاحب سلطان۔[1]

’’ہمارے نزدیک دو افراد کے علاوہ تمام مسلمان اچھی حالت پر ہوتے ہیں ان میں سے ایک فتنہ پرور اور دوسرا اُمراء کی دریوزہ گری کرنے والا ہے‘‘

۲۱۔ آیت فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ[2] کے تحت **علامہ محمود آلوسی بغدادیؒ** (۱۲۷۰ھ) لکھتے ہیں:

و استدل بعضهم بالآية علی تحریم مجالسة الفاسق و المبتدعین من ای جنس کانوا، و الیه ذهب ابن مسعود و ابراهیم و أبو وائل، و به قال عمر بن عبد العزیز۔[3]

’’بعض مفسرین نے اس آیت سے دلیل پکڑی ہے کہ ہر قسم کے فسّاق اور بدعتیوں کے ساتھ بیٹھنا حرام ہے اور یہی قول عبد اللہ بن مسعودؓ، ابراہیمؒ، ابو وائلؒ اور عمر بن عبد العزیزؒ کا ہے‘‘

۲۲۔ **اِمام قرطبیؒ** (۶۷۱ھ) اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

عن الضحاک قال دخل فی هذه الآية کل مُحدِث فی الدّین مبتدع الی یوم القیامة۔[4]

(۱) لالکائی، إعتقاد اهل السنة والجماعة، ۱: ۷۸

(۲) النساء، ۴: ۱۴۰

(۳) آلوسی، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، ۳: ۱۷۴

(۴) قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۵: ۲۶۸

''امام ضحاکؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے تحت ہر وہ شخص داخل ہے جو دین میں نئی بات نکالے اور قیامت تک ہر فتنہ پرور بھی اس میں شامل ہوگیا۔''

۲۲۳۔ علامہ فخر الدین رازیؒ (۶۰۶ھ) آیت - اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَ کَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ[1] کی تفسیر میں امامِ تفسیر **حضرت مجاہدؒ** (۱۰۲ھ) کے حوالے سے لکھتے ہیں:

قال المجاهد إنّ الّذين فرّقوا دينهم من هذه الاُمّة هم أهل البدع والشّبهات و اعلم انّ المراد من الآية الحثّ عن ان تكون كلمة المسلمين واحدة و ان لا يتفرّقوا فى الدّين و لا يبتدعوا البدع۔[2]

''حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ اس اُمت میں جن لوگوں نے دین کو پارہ پارہ کیا وہ فتنہ پرور اور اہل شبہات ہیں۔ آیت کا مقصود اُمت کو اِجتماعیت اور کلمۂ واحدہ پر آمادہ کرنا ہے اور یہ کہ دین میں فرقہ بندیوں اور بدعات سے احتراز کرے۔''

قرونِ اُولیٰ میں بدعت کا اِطلاق صرف کفریہ عقائد پر ہوتا تھا

قرونِ اولیٰ میں لفظِ بدعت کا اِطلاق صرف کفریہ عقائد پر ہوتا تھا اور اس سے مراد ایسے فِتَن تھے جو دین کی بنیادی تعلیمات کو مسخ کر دیں یا ان کا انکار کر دیں اور یہ ارتداد پر مبنی ہوں۔ لہٰذا بدعات ضلالۃ سے مراد چھوٹے اور ہلکی نوعیت کے اختلافات نہیں بلکہ ان سے مراد اس سطح کے فتنے ہیں کہ ان میں سے ہر فتنہ ''خروج عن الاسلام'' اور ''ارتداد'' کا باعث بنے۔ آپ ﷺ کی سنت اور امرِ دین کو کاٹے اور ''اختلافِ کثیر'' بن

(۱) الأنعام، ۶: ۱۵۹

(۲) رازی، تفسیر الکبیر، ۱۳: ۹

کر اُمت میں ظاہر ہو مثلاً اگر کوئی شخص دین کے بنیادی عقائد (ایمان باللہ، ملائکہ، سابقہ نازل شدہ کتب، انبیاء، یوم آخرت، تقدیر اور بعد از موت حیات پر اِیمان) میں سے کسی کا انکار، اسلام کے اَرکانِ خمسہ (ایمان باللہ و الرسول، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ) میں سے کسی کا انکار، یا ارکانِ اسلام میں کمی یا زیادتی، ختم نبوت کا انکار، تحریف قرآن (کمی یا زیادتی)، سنت کا انکار، کسی خارجی فتنہ کی طرح باطل مسلک کی بنیاد، جہاد کی منسوخی، سود کا جواز، وغیرہم جیسے کفریہ عقائد گھڑ لے تو اس سطح کے فتنوں کو قیامت تک کے لیے دین میں بدعاتِ ضلالۃ کہیں گے، اور یہی ایسے فتنے ہیں جن کے ماننے والوں اور پیروکاروں کو جہنم کا ایندھن بنائے جانے کی وعید سنائی گئی ہے۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ قرونِ اُولیٰ میں بدعت اور احداث فی الدین کا اِطلاق چھوٹے چھوٹے فروعی اورنزاعی اِختلافات پر نہیں بلکہ صرف اُن امور پر ہوتا تھا جن سے خروج عن الاسلام یا اِرتداد لازم آئے اور اُمت اِس اِحداث کی وجہ سے اِختلافِ کثیر کا شکار ہو کر آپس میں بٹ جائے اور اس کا اِتحاد پارہ پارہ ہو جائے۔ احادیث مبارکہ میں اسی بدعتِ ضلالت کو جہنم کا ایندھن کہا گیا ہے۔ لہٰذا بدعت سے مراد فقط فتنہ ِارتداد اور اس کی مختلف شکلیں ہیں جو حضور ﷺ کے وصال کے فوراً بعد پیدا ہوئیں یا مختلف ادوار میں بعد میں پیدا ہوں گی۔ بصورت دیگر اس پر بدعت ضلالۃ کا اطلاق نہیں ہوگا۔ پس آج بھی کسی امر یا معاملہ پر بدعت ضلالۃ کا اطلاق کرنے کے لیے ارتداد ہی ایسا قاعدہ اور کلیہ ہے جس پر کسی بھی امر کو پرکھ کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ بدعت ضلالت میں شمار ہوتی ہے یا نہیں؟

لہٰذا چھوٹے چھوٹے فروعی اور نزاعی مسائل مثلاً میلاد، عرس، ایصال ثواب وغیرہ کو بدعات و گمراہی اور ''محدثات الأُمور'' نہیں کہا جاسکتا کیونکہ ان سے نہ تو خروج عن الاسلام لازم آتا ہے اور نہ ہی ارتداد، بلکہ یہ اصلاً شریعت سے ثابت ہیں۔ جبکہ ''محدثات الأُمور'' ان فتنوں کو کہا گیا جن کی وجہ سے اُمت میں اختلافِ کثیر پیدا

ہوا، اور امت آپس میں بٹ گئی حتی کہ الگ الگ لشکر بنے، جنگیں ہوئیں اور ہزاروں افراد ان فتنوں کے باعث شہید ہوئے۔

تعجب ہے ان لوگوں پر جنھوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کے میلاد اور ایصال ثواب وغیرہم جیسے اعمال حسنہ کو محدثات الاُمور اور بدعاتِ ضلالۃ قرار دیا ہے۔ کوئی اِن اُمور پر اِعتقاد رکھے نہ رکھے یہ اس کی صوابدید ہے لیکن ان کو دین میں بدعت قرار دینا حضور نبی اکرم ﷺ، صحابہ اور تابعین کی سنت سے انکار، حدیث سے انکار اور جسارت علی الرسول ہے۔ **ليس عليه أمرنا** کا بھی یہی معنی ہے، یہ درحقیقت دین کے اندر اُمور مستحبات ہیں جنہیں کسی بھی دور میں اہلِ حق نے کبھی بھی اِحداث و بدعات قرار نہیں دیا۔

باب چہارُم

اِجتہاد اور تصورِ بدعت

أَجْتَهِدُ بِرَأيي سے نئے اُمورِ حسنہ کے اِجراء پر اِستدلال

اِجتہاد پر اَجر و ثواب کی نوید

اُمورِ حسنہ کا اِجراء اور تصورِ بدعت

زندگی کی تمام تر اِرتقا پذیری اِجتہاد ہی کی مرہونِ منت ہے۔ مجتہدین کا سب سے بڑا کارنامہ ہی ممکناتِ حیات کو بروئے کار لا کر اِنہیں ترقی کی راہ پر لگانا ہے۔ دینِ اِسلام کی فطرت میں اللہ ﷻ نے ایسی خوشگوار اور اَبدی لچک رکھی ہے کہ اگر ایک طرف یہ تمام اَحوال و ظروف اور زمان و مکان کے مطابق معاشرے کی اِنفرادی اور اِجتماعی ضروریات کو پورا کرتا ہے تو دوسری طرف اپنے تمام اَساسی اور بنیادی اُصولوں کو قائم رکھتے ہوئے اپنی ہیئتِ اَصلیہ کو بھی برقرار رکھتا ہے۔ ذیل میں ہم چند اَحادیثِ نبویہ کی روشنی میں ''اِجتہاد اور تصورِ بدعت'' کے حوالے سے تفصیلات بیان کریں گے تاکہ نفسِ مضمون سے متعلق ذہنوں میں پائے جانے والے اِبہام کو دور کیا جا سکے۔

أَجْتَهِدُ بِرَأيِ سے نئے اُمورِ حسنہ کے اِجراء پر اِستدلال

اگر کسی مسئلہ کا کوئی حل قرآنِ مجید اور سنّت نبوی ﷺ دونوں سے نہ ملے تو اِجتہاد کرنا نہ صرف جائز بلکہ حکمِ نبوی پر مبنی ہے۔ یہ حکم اَز خود نئے کام کو جو قرآن و سنّت میں نہ تھا، محض خیر اور دینی ضرورت و مصلحت کی بنا پر نہ صرف جواز فراہم کر رہا ہے بلکہ خود اس عملِ اجتہاد کو بھی سنّت بنا رہا ہے۔ اس حقیقت پر حدیثِ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ شاہد عادل ہے۔ امام ابو داؤد رحمہ اللہ (۲۷۵ھ) اپنی ''السنن'' میں کتاب الأقضيه، باب اجتهاد الرأی فی القضاء میں روایت کرتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجتے وقت حضور نبی اکرم ﷺ نے اُن سے پوچھا:

كيف تقضى إذا عرض لک قضاء؟ قال: أقضى بكتاب الله قال: فإن لم تجد في كتاب الله؟ قال: فبسُنة رسول الله ﷺ قال: فإن

لم تجد في سنة رسول الله ﷺ ولا فی کتاب الله؟ قال: أجتهد برأي ولا آلو قال: فضرب رسول الله ﷺ صدره، فقال: الحمد لله الذي وفّق رسول رسول الله ﷺ لما یرضي رسول الله ﷺ۔(۱)

''(اے معاذ!) جب آپ کے سامنے کوئی معاملہ پیش کیا جائے گا تو آپ کس طرح اس کا فیصلہ کریں گے؟ تو انہوں نے عرض کیا: میں کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تو اس معاملے کو کتاب اللہ میں نہ پائے تو اس پر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ پھر میں سنت رسول کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ پھر حضور علیہ الصلاۃ و السلام نے فرمایا: اگر تو اس معاملے کا حل سنت رسول ﷺ اور کتاب اللہ میں بھی نہ پائے تو انہوں نے عرض کیا کہ **پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور کوئی کوتاہی نہیں کروں گا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر آپ ﷺ نے (اپنا دستِ شفقت) میرے سینے پر مارا اور فرمایا تمام تعریفیں اس خدا کی ہیں جس نے اپنے رسول ﷺ کے نمائندہ کو ایسی توفیق بخشی جو اس کے رسول ﷺ کی رضا کا**

(۱) ۱۔ ابو داود، السنن، کتاب القضاء، باب اِجتہاد الرائی فی القضاء، ۳:۳۰۳، رقم:۳۵۹۲

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ابواب الأحکام، باب ما جاء فی القاضی، ۳: ۶۱۶، رقم: ۱۳۲۷

۳۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۱۰: ۱۱۴، رقم: ۲۰۳۳۹

۴۔ ابن ابی شیبۃ، المصنف، ۴: ۵۴۳

۵۔ طیالسی، المسند، ۱: ۷۶، رقم: ۵۵۹

۶۔ عبد بن حمید، المسند، ۱: ۷۲، رقم: ۱۲۴

۷۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۲۰: ۱۷۰، رقم: ۳۶۲

سبب ہے۔‘‘

اس حدیثِ مبارکہ میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے الفاظ ’’أَجْتَهِدُ بِرَأْيِي‘‘ اور اس پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان ’’اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللهِ لِمَا يُرْضِيُ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم‘‘ میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے جواب پر نہ صرف اِطمینان کا اِظہار کیا گیا بلکہ اِس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جو اَمر قرآن وسنت میں نہ ہو بلکہ اِجتہاد اور رائے محمود کی بنیاد پر طے کیا جائے تو یہ نہ صرف مستحسن ہے بلکہ بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منظور شدہ طریق ہے۔ یہی اُصول ’’بدعت حسنہ‘‘ میں کارفرما ہے جو اس حدیثِ مبارکہ سے ثابت ہے۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نئے نئے پیش آمدہ مسائل میں رائے اور اِجتہاد سے کام لینے اور اپنی فہم و بصیرت سے پیش آمدہ مسائل کا حل تلاش کرنے کی تلقین فرماتے تھے۔ **علامہ ابن قیم جوزی** (۷۵۱ھ) ’’إعلام الموقعين‘‘ میں نقل کرتے ہیں کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بعض ناگزیر حالات میں اپنی رائے سے اِجتہاد اور اہلِ علم سے مشورہ کرنے کی تلقین کرتے ہوئے **قاضی شریح** (۷۶ھ) کو فرمایا:

> **أن أقض بما استبان لک من قضاء رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فإن لم تعلم كل أقضية رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاقض بما استبان لک من ائمة المهتدين فإن لم تعلم كل بما قضيت به ائمة المهتدين فاجتهد رأيک واستشر أهل العلم والصّلاح۔**[1]

> ’’جو بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلہ سے ظاہر ہو اس کے مطابق فیصلہ کرو اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام فیصلوں کا علم نہ ہو تو ہدایت یافتہ ائمہ کے مطابق فیصلہ کرو اور اگر ان کے بھی تمام فیصلوں کا علم نہ ہو تو اپنی رائے سے اجتہاد کرو اور اہلِ علم و صلاح سے مشورہ کرو۔‘‘

(۱) ابن قیم، اعلام الموقعين: ۹۷

ان احادیثِ مبارکہ سے یہ اُصول بھی مستنبط ہوتا ہے کہ اگر نفس الامر اور اس کا حل خود قرآن و سنّت سے ثابت نہیں تو اس کے حل کا طریق جو مبنی بر ''رائے و اجتہاد'' ہے وہ تو سنّت سے ثابت ہے۔ لہٰذا ''نفس الامر اور اس کا حل'' نیا ہونے کی بنا پر تو ''بدعت'' ہوئے مگر اس حل کا طریق مشروع ہے اس لئے تابع سنّت ہوا۔ سو ''نئے پن'' نے اس عمل کو بدعتِ لغوی بنایا تھا اور طریق کی مشروعیت نے اسے بدعت حسنہ بنا دیا۔ **یہی وہ دائمی اصول ہے جو دین اسلام کی تعلیمات کو زمانوں اور معاشروں کے بدلتے ہوئے حالات اور زندگی کے نئے تقاضوں کی تکمیل کے لئے ابدالاباد تک تحرک اور تسلسل دیتا ہے، اسی اُصول کے باعث اِسلامی نظامِ حیات میں جمود پیدا نہیں ہونے پاتا۔ یہی اُصول اِسلامی احکام کی دائمی اور متحرک عملیت (dynamism) اور لایزال مطابقیت (un-ending compatability) برقرار رکھتا ہے جس سے اس نظام کی تازگی ہمیشہ قائم رہتی ہے۔**

اِجتہاد پر اَجر و ثواب کی نوید

جب کوئی مجتہد خلوصِ نیت کے ساتھ کسی حکم کا اِستنباط کرتا ہے اور وہ حکم درست ہو تو اسے اللہ کی طرف سے دو اَجر ملتے ہیں اور اگر وہ حکم درست نہ ہو بلکہ غلط ہو تب بھی اس مجتہد کو اپنے اِجتہاد پر ایک اَجر ملتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا حَكَمَ الحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ اَصَابَ فَلَهُ اَجْرَانِ وَ اِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ اَخْطَأَ فَلَهُ اَجْرٌ۔[1]

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الاعتصام، باب اجر الحاکم إذا اجتهد، ۶: ۲۶۷۶، رقم: ۶۹۱۹
۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الأقضیه، باب بیان اجر الحاکم إذا اجتهد فأصاب او اخطأ، ۳: ۱۳۴۲، رقم: ۱۷۱۶
۳۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ابواب الاحکام، باب ماجاء فی القاضی یُصیب ویخطیٔ، ۳: ۶۱۵، رقم: ۱۳۲۶

”جب کوئی حاکم اجتہاد سے فیصلہ کرے اور صحیح فیصلہ کردے تو اس کے لئے دو اجر ہیں اور جب اجتہاد سے فیصلہ کرے اور اس سے غلطی ہو جائے تو بھی اس کے لئے ایک اجر ہے۔“

سوال پیدا ہوتا ہے کہ مجتہد کی اس قدر حوصلہ افزائی کیوں کہ غلطی اور خطا پر بھی اسے ”اجر“ سے نوازا جائے؟ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اگر مجتہدین و محققین کو اِس اَمر کا پابند کر دیا جائے کہ وہ نظام الاَحکام کو صرف عہدِ رسالت اور عہدِ صحابہ کے قضایا اور نظائر تک محدود رکھیں اور نئے اقدامات کو بدعت سمجھ کر چھوڑ دیں تو قدیم اور جدید میں فاصلے برقرار رہتے۔ جس کے نتیجے میں لامحالہ اسلامی طرزِ زندگی جمود کا شکار ہو جاتی، چونکہ مجتہد نئے فیصلوں کے ذریعے امکانِ جمود کو ختم کرتا ہے، احکامِ شریعت کے تحرک و تسلسل کے برقرار رہنے کا باعث بنتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ غلط نتیجہ برآمد ہونے کی صورت میں بھی اخلاص اور نیک نیتی پر مبنی اس کی مجتہدانہ کاوش اور جرأت کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے۔ فیصلہ صاف ظاہر ہے ایک ”نیا قدم“ ہی ہوگا۔ **اگر نصوصِ قرآن و سنّت یا عہدِ رسالت و عہدِ صحابہ سے ثابت ہوتا تو اجتہاد نہ کہلاتا بلکہ وہ حکمِ منصوص ہی ہوتا چونکہ وہ اَساسی مصادر سے یا زمانہ تشکیلِ سنّت سے ثابت نہیں ہے اس لئے لغۃً بدعت ہے، طریقۃً اجتہاد ہے، ضرورۃً مصلحت ہے اور حکمًا ”حسنہ“ ہے۔ اسے بدعتِ حسنہ کہتے ہیں۔ یہی ”اِجتہادِ ماجوز“ ہے اور یہ حکمِ رسول ﷺ ہے۔ اور اصلاً سنّتِ نبوی ﷺ کے تابع ہے۔**

۴۔ ابوداؤد، السنن، کتاب القضاء، باب فی القاضی یُخْطِی، ۳: ۲۹۹، رقم: ۳۵۷۴

۵۔ نسائی، السنن، کتاب آداب القضاۃ، باب الاصابۃ فی الحکم، ۸: ۲۲۳، رقم: ۵۳۸۱

۶۔ ابن ماجہ، السنن، کتاب الأحکام، باب الحاکم یجتہد فیصیب الحق، ۲: ۷۷٦، رقم: ۲۳۱۴

اُمورِ حسنہ کا اِجراء اور تصورِ بدعت

اِمام مسلمؒ (۲۶۱ھ) کتاب الزکوٰۃ، باب الحث علی الصدقہ میں روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے اَعمالِ خیر اور اُمورِ حسنہ کے اِجراء کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

من سنّ فی الاسلام سنة حسنة فله أجرها و أجر من عمل بها بعده من غير أن ينقص من أجورهم شئ ومن سنّ فی الاسلام سنة سيئة كان عليه وزرها و وزر من عمل بها من بعده من غير أن ينقص من أوزارهم شيئ۔(۱)

''جس شخص نے اسلام میں کسی نیک کام کی ابتداء کی اس کو اپنے عمل کا بھی اجر ملے گا اور بعد میں اس پر عمل کرنے والوں کے عمل کا بھی اجر ملے گا اور ان

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الزکوٰۃ، باب الحث علی الصدقہ، ۲: ۷۰۵، رقم:۱۰۱۷
۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب العلم، باب من سن سنۃ حسنۃ او سیئۃ، ۴: ۲۰۵۹، رقم: ۲۶۷۴
۳۔ نسائی، السنن، کتاب الزکاۃ، باب التحریض علی الصدقہ، ۵: ۵۵، ۵۶، رقم: ۲۵۵۴
۴۔ ابن ماجہ، السنن، مقدمۃ، باب سن سنۃ حسنۃ أو سیئۃ، ۱: ۷۴، رقم: ۲۰۳
۵۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۳۵۷۔۳۵۹
۶۔ ابن حبان، الصحیح، ۸: ۱۰۱، ۱۰۲، رقم: ۳۳۰۸
۷۔ دارمی، السنن، ۱: ۱۴۱، رقم: ۵۱۴
۸۔ ابن ابی شیبہ، المصنف، ۲: ۳۵۰، رقم: ۹۸۰۳
۹۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۴: ۱۷۵، رقم: ۷۵۳۱

عاملین کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی اور جس نے اسلام میں کسی برے عمل کی ابتدا کی اسے اپنے عمل کا بھی گناہ ہو گا اور بعد میں اس برے کام پر عمل کرنے والوں کے عمل کا بھی گناہ ہو گا اور ان عاملین کے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہوی۔‘‘

امام یحییٰ بن شرف نوویؒ (۶۷۶ھ) مذکورہ حدیث کی شرح میں نئے اُمورِ حسنہ کے اِجراء کے حق میں دلائل دیتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

قوله ﷺ مَنْ سَنَّ سُنّة حسنة و من سنَّ سنَّة سيّئة و فی الحديث الآخر من دَعَا اِلیٰ هدی و من دعا اِلی ضلالة[1] هذان الحديثان صريحان فی الحثِّ علی استحباب سنّ الامور الحسنة و تحريم سنّ الامور السيّئة۔[2]

’’حضور ﷺ کا فرمان ’’من سنَّ سنة حسنة و من سن سنة سيئة‘‘ اور ایک دوسری حدیث مبارکہ ’’من دعا الی هدی ومن دعا الی ضلالة‘‘ یہ دونوں

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب العلم، باب من سن سنة حسنة او سيئة، و من دعا إلی هدی او ضلالة، ۴:۲۰۶۰، رقم: ۲۶۷۴

۲۔ترمذي، السنن، كتاب العلم عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء فيمن دعا إلی هدی فاتبع او إلی ضلالة، ۵:۴۳

۳۔ابو داؤد، السنن كتاب السنة، باب لزوم السنة، ۴:۲۰۱، رقم: ۴۶۰۹،

۴۔ابن ماجة، السنن، المقدمة، باب من سن سنة حسنة او سيئة، ۱:۷۵، رقم: ۲۰۶

۵۔ ابن حبان، الصحيح باب ذكر الحكم فيمن دعا إلی هدی او ضلالة فاتبع عليه، ۱:۳۱۸، رقم: ۱۱۲

۶۔دارمی، السنن، ۱:۱۴۱، رقم: ۵۱۳

۷۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲:۳۹۷، رقم: ۹۱۴۹

۸۔ابو عوانة، المسند، ۳:۴۹۴، رقم: ۵۸۲۳

(۲) نووی، شرح صحيح مسلم، ۲: ۳۴۱

احادیث اُمورِ حسنہ کے اجراء کے استحباب اور اُمور سیئہ کے اجراء کی ممانعت پر صریحاً دال ہیں۔''

اگر کچھ تعمّق اور تفکّر سے کام لیا جائے تو یہ واضح ہو جائیگا کہ یہاں لفظِ ''سنّت'' سے مراد سنّتِ شرعی نہیں بلکہ سنّتِ لغوی ہے گویا لفظِ بدعت کی طرح لفظِ سنّت کا اِطلاق دو طرح پر ہے۔ اگر ''من سنَّ فی الاسلام سُنّۃً'' سے مراد یہاں پر شرعی معنی میں سنّتِ رسول ﷺ یا سنّتِ صحابہ ہوتی تو اسے ''سُنّۃً حَسَنَۃ'' اور ''سُنَّۃً سَیِّئَۃً'' میں ہرگز تقسیم نہ کیا جاتا۔ کیونکہ سنّتِ رسول ﷺ تو ہمیشہ ''حسنۃ'' ہی ہوتی ہے۔ اس کے سیّئہ ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہاں پر حضور ﷺ نے لفظ تو ''سنّت'' کا استعمال فرمایا ہے مگر اس کے اطلاق میں حسنہ اور سیّئہ دو اقسام بیان کی ہیں ان میں ایک پر اجر کی نوید اور دوسری قسم پر گناہ کی وعید فرمائی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ''سنّت'' کی تقسیم تو حسنہ اور سیّئہ میں صراحتاً کر دی گئی ہے۔ جس سے انکار کی بھی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ اب اس کی توجیہ سوائے اس کے اور کوئی نہیں کہ یہاں لفظِ سنّت اپنے لغوی معنیٰ میں استعمال ہوا ہے نہ کہ شرعی معنیٰ میں۔ **اس سے مراد کوئی ''نیا راستہ'' نکالنا ہے۔** ذیل میں چند مثالوں سے اجتہاد اور تصور بدعت کی وضاحت کی جائے گی۔

مثالوں سے وضاحت

۱۔ آغازِ اسلام میں یہ دستور تھا کہ اگر حضور ﷺ نماز کی اِمامت کرا رہے ہوتے اور دورانِ نماز کوئی آ جاتا تو وہ دوسرے صحابی سے پوچھ کر کہ کتنی رکعتیں ہو چکی ہیں اُتنی رکعتیں پہلے پڑھ کر پھر حضور ﷺ کے ساتھ جماعت میں مل جاتا۔ ایک دن حضرت معاذ رضی اللہ عنہ آئے اور کہنے لگے:

لَا اَجِدُہ عَلٰی حالٍ اَبداً اِلَّا کُنْتُ عَلَیْھَا ثُمَّ قَضَیْتُ مَا سَبَقَنِی۔(۱)

(۱) احمد بن حنبل، المسند، ۵: ۲۴۶، رقم: ۲۲۴۷۵

''میں تو حضور ﷺ کو (دورانِ نماز) جس حال میں پاؤں گا اسی میں مل جاؤں گا اور جو نماز چھوٹ گئی ہے اسے حضور ﷺ کے سلام پھیرنے کے بعد اَدا کر لوں گا۔''

چنانچہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا اور حضور ﷺ کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی باقی رکعتیں ادا کرنے کے لئے کھڑے ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے انہیں دیکھ کر فرمایا:

اِنَّه قَدْ سَنَّ لَكُمْ مُعَاذٌ فَهٰكَذَا فَاصْنَعُوْا۔ (۱)

''معاذ نے تمہارے لیے یہ اچھا طریقہ نکالا ہے تم بھی اب یونہی کیا کرو۔''

اس مقام پر غور طلب بات یہ ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے اور اجتہاد سے اس طریقے کو ترک کیا جس پر تمام صحابہ عمل پیرا تھے لیکن چونکہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا عمل مبنی بر خلوص اور اَدب تھا لہٰذا حضور اکرم ﷺ نے ان کے اس عمل کو پسند کیا اور اِس کی تحسین فرماتے ہوئے صحابہ کو اِس ''نئے عمل'' کو اپنانے کا حکم دیا۔

۲۔ قرآنِ حکیم کی جمع و تدوین بھی صحابہ کا ایک مجتہدانہ فیصلہ تھا۔ اگرچہ یہ ایک ''نیا عمل'' تھا اور ان کے پاس اس کو جمع کرنے کے متعلق کوئی صریح حکم بھی موجود نہیں تھا لیکن اس کے باوجود انہوں نے اپنی اِجتہادی بصیرت سے کام لیتے ہوئے اس نئے لیکن مبنی بر

(۲) ۱۔ احمد بن حنبل، المسند، ۵: ۲۴۶، رقم: ۲۲۴۷۵
۲۔ أبوداود، السنن، كتاب الصلاة، باب كيف الأذان، ۱: ۱۳۹، رقم: ۵۰۶
۳۔ طبراني، المعجم الكبير، ۲۰: ۱۳۴، رقم: ۲۷۱
۴۔ طبراني، المعجم الكبير، ۲۰: ۱۳۳، رقم: ۲۷۰
۵۔ بيهقي، السنن الكبرىٰ، ۳: ۹۳، رقم: ۴۹۲۵
۶۔ بيهقي، السنن الكبرىٰ، ۲: ۲۹۶، رقم: ۳۴۳۳
۷۔ عسقلاني، الدراية في تخريج احاديث الهداية، ۱: ۲۳۴
۸۔ عسقلاني، تلخيص الحبير، ۲: ۴۲، رقم: ۵۹۶

خیرعمل کے ذریعے جمع و تدوین کی صورت میں ایک بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا۔ **علامہ شاطبیؒ** (۷۹۰ھ) اپنی معروف کتاب ''الاعتصام'' میں قرآن کی جمع و تدوین کے حوالے سے لکھتے ہیں:

ان أصحاب رسول الله ﷺ إتفقوا علی جمع المصحف ولیس تَمَّ نص علی جمعه وکتبه۔[1]

''رسول اللہ ﷺ کے صحابہ قرآن کریم کو ایک مصحف میں جمع کرنے پر متفق ہو گئے حالانکہ قرآن کریم کو جمع کرنے اور لکھنے کے بارے میں ان کے پاس کوئی صریح حکم نہیں تھا۔''

اِس سے یہ نتیجہ اَخذ کیا جا سکتا ہے کہ خیر اور دینی مصالح پر مبنی اُمور کو سرانجام دینا صحابہ کرام کی سنت ہے اور انہیں محض ''نیا عمل'' ہونے کی وجہ سے رد نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو جمعِ قرآن کی فکر دامن گیر ہوئی تو آپ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا: میری یہ تجویز ہے کہ قرآن کو فوری طور پر ایک کتابی صورت میں یکجا کر دیا جائے تاکہ اس طرح اس کی حفاظت کا بہتر اہتمام ہو سکے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اِبتداءً یہ جواب دیا کہ **کیف أفعل شیئا؟ ما لم یفعله رسول الله ﷺ** (میں ایسا کام کیسے کرسکتا ہوں؟ جسے رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا)؟ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اے امیرالمومنین! درست ہے کہ یہ کام ہمارے آقا ﷺ نے بوجوہ اپنی ظاہری حیاتِ مقدسہ میں نہیں کیا لیکن ''ھو واللہ خیر'' یعنی اللہ کی قسم ہے بہت اچھا، لہٰذا ہمیں اسے ضرور کرنا چاہیے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جب شرحِ صدر نصیب ہوا تو انہوں نے حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے فرمایا: آپ نوجوان اور سمجھ دار شخص ہیں اور کاتب وحی بھی رہے ہیں، لہٰذا آپ قرآن کو مختلف مقامات سے تلاش کر کے ایک جگہ جمع کر دیں۔ حضرت

(۱) شاطبی، الاعتصام، ۲: ۱۱۵

زید رضی اللہ عنہ کو جب اتنی بڑی اور نازک ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونا پڑا تو عرض کرنے لگے: ''اللہ کی قسم (ابوبکر رضی اللہ عنہ) مجھے اگر ایک پہاڑ کو دوسرے کی جگہ منتقل کرنے کی تکلیف دیتے تو قرآن کو جمع کرنے سے وہ کام میرے لئے بھاری نہ ہوتا۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس نئے کام کو سرانجام دینے کے حوالے سے میں نے حضرت عمر بن خطاب اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما سے عرض کیا:

كيف تفعلان شيئا لم يفعله النبى ﷺ؟ فقال: أبوبكر هو والله خير۔(۱)

آپ وہ کام کس طرح کرتے ہیں جس کو حضور ﷺ نے نہیں کیا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم یہ بہتر کام ہے۔''

جب حضرت زید رضی اللہ عنہ پر اس کی حکمت واضح ہوگئی تو وہ اس بابرکت کام کے لئے تیار ہو گئے، اس طرح جمع و تدوینِ قرآن کا یہ اہم فریضہ عہدِ صدیقی میں پایۂ تکمیل کو

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب التفسیر، **باب قوله لقد جاء كم رسول**، ۴: ۱۷۲۰، رقم: ۴۴۰۲

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب الاحکام، باب یستحب للکاتب أن یکون امیناً عاقلاً، ۶: ۲۶۲۹، رقم: ۶۷۶۸

۳۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب التفسیر، باب من سورة التوبة، ۵: ۲۸۳، رقم: ۳۱۰۳

۴۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۵: ۷، رقم: ۲۲۰۲

۵۔ احمد بن حنبل، المسند، ۱: ۱۳، رقم: ۷۶

۶۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۰: ۳۶۰، رقم: ۴۵۰۶

۷۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۵: ۱۴۶، رقم: ۴۹۰۱

۸۔ ابو یعلی، المسند، ۱: ۹۱، رقم: ۹۱

۹۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۲: ۴۰، رقم: ۲۲۰۲

پہنچا۔

اس حدیثِ مبارکہ میں اہم بات یہ ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اس سوال پر کہ **کیف تفعلان شیئاً لم یفعله النبی** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس کام کے بدعت یعنی ''نیا'' ہونے کا انکار نہیں کیا بلکہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے سوال کے جواب میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے وہی الفاظ دہرائے کہ ''**ھو و اللہ خیر**'' یعنی اللہ کی قسم یہ بہتر کام ہے۔

اس سے یہ ثابت ہوا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تازہ بہ تازہ اور نت نئے پیدا ہونے والے مسائلِ حیات سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اِجتہاد اور بدعت میں واضح تمیز کرتے تھے اور چھوٹے چھوٹے اُمورِ خیر اور اَعمالِ صالحہ کو محض نیا ہونے کی وجہ سے ردّ کرنے کی بجائے **مَنْ سَنَّ فی الاسلام سُنّة حسنة**[1] کے تحت دین کے وسیع دامن میں جگہ دیتے تھے۔ صحابہ کی اس مجتہدانہ روش سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ہر وہ کام جو مبنی بر حکمت و مصلحت ہو اور احکامِ شریعت سے متعارض و متناقض بھی نہ ہو وہ بلا شک و شبہ مباح، جائز اور مشروع ہے۔

۳۔ سیدنا عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف سے باجماعت نمازِ تراویح کے اِہتمام اور اس پر ''**نعم البدعة ھذہ**'' کے فرمان نے ہمیشہ کے لیے اجتہاد اور بدعت کے فرق کو واضح کر

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الزکوۃ، باب الحث علی الصدقه، ۲: ۷۰۵، رقم: ۱۰۱۷

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب العلم، باب من سن سنة حسنة او سیئة، ۴: ۲۰۵۹، رقم: ۲۶۷۴

۳۔ نسائی، السنن، کتاب الزکاة، باب التحریض علی الصدقه، ۵: ۵۵، ۵۶، رقم: ۲۵۵۴

۴۔ ابن ماجه، السنن، مقدمة، باب سن سنة حسنة أو سیئة، ۱: ۷۴، رقم: ۲۰۳

۵۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۳۵۷۔۳۵۹

دیا۔ با جماعت نمازِ تراویح کا پس منظر یہ ہے کہ حضور ﷺ نے تین راتوں کے سوا یہ نماز باجماعت نہیں پڑھائی۔ اس کے بعد عہدِ صدیقی کے اَڑھائی سالہ دورِ خلافت میں بھی صحابہ کا یہی معمول رہا۔ جب سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا تو آپ نے اس خیال سے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کہیں لوگ نمازِ تراویح پڑھنا ترک ہی نہ کر دیں، سب کو حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پیچھے جو حافظِ قرآن تھے باجماعت نماز تراویح کے لئے مجتمع کیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عبد القاری بیان کرتے ہیں:

خرجت مع عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ليلة في رمضان إلى المسجد فإذا الناس أوزاع متفرقون يصلى الرجل لنفسه و يصلي الرجل فيصلي بصلا ته الرهط، فقال عمر: إنى أرى لو جمعت هؤلاء على قارئ واحد لكان أمثل ثم عزم فجمعهم على أبى بن كعب ثم خرجت معه ليلة أُخرى والناس يصلون بصلوة قارئهم، قال عمر: نعم البدعة هذه والتى ينامون عنها أفضل من التى يقومون يريد آخر الليل و كان الناس يقومون أوّله۔[1]

’’میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ رمضان کی ایک رات مسجد کی طرف نکلا تو لوگ متفرق تھے ایک آدمی تنہا نماز پڑھ رہا تھا اور ایک آدمی گروہ کے ساتھ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے خیال میں انہیں ایک قاری کے پیچھے جمع کر دیا

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب صلاة التراويح، باب فضل من قام رمضان، ۲: ۷۰۷، رقم: ۱۹۰۶
۲۔ مالك، المؤطا، ۱: ۱۱۴، رقم، ۲: ۲۵۰
۳۔ ابن خزيمة، الصحيح، ۲: ۱۵۵، رقم: ۱۱۰۰
۴۔ بيهقی، السنن الكبرىٰ، ۲: ۴۹۳، رقم: ۴۳۷۹
۵۔ بيهقی، شعب الايمان، ۳: ۱۷۷، رقم: ۳۲۶۹

جائے تو اچھا ہوگا، پس آپ نے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پیچھے سب کو جمع کر دیا۔ پھر میں دوسری رات کو ان کے ساتھ نکلا تو دیکھا کہ لوگ اپنے قاری کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ کتنی اچھی بدعت ہے اور رات کا وہ حصہ جس میں لوگ سو جاتے اس سے بہتر وہ حصہ ہے جس میں وہ قیام کرتے ہیں مراد رات کا آخری حصہ تھا جبکہ لوگ پہلے حصے میں قیام کرتے تھے۔‘‘

باجماعت نمازِ تراویح کا اِہتمام سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ایک اجتہادی کارنامہ تھا۔ آپ نے ’’نعم البدعة هذه‘‘ فرما کر یہ واضح کر دیا کہ اگرچہ یہ ایک ’’نیا کام‘‘ ہے مگر ہر نیا کام ناجائز اور ممنوع نہیں ہوتا بلکہ بے شمار نئے اُمور حسنہ بھی ہوتی ہیں۔ نعم البدعة فرمانے سے یہ بھی ثابت ہوا کہ بدعت حسنہ اور سیہ کی تقسیم مبنی بر حدیث ہے، یہ محض قیاسی تقسیم نہیں۔ مختصراً یہ کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے نمازِ تراویح کے باجماعت اہتمام کو ’’بدعة‘‘ بھی کہا اور ’’نعمة‘‘ یعنی ’’حسنة‘‘ بھی کہا۔ وجہ یہی تھی کہ یہ کام اپنی ظاہری حالت اور ہیئت کے حوالے سے تو نیا تھا جسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوام کے ساتھ اختیار نہیں فرمایا تھا اس لئے اسے ’’بدعة‘‘ کہا مگر باعثِ خیر اور مبنی بر مصلحت تھا اس لئے اسے ’’نعمة‘‘ یعنی ’’حسنة‘‘ قرار دے دیا۔ **علامہ ابن اثیر جزریؒ** (۶۰۶ھ) نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس مبنی بر حکمت فرمان کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

وإنما عمر رضی اللہ عنہ جمع الناس عليها و ندبهم إليها، فبهذا سمّاها بدعة، و هي على الحقيقة سنّة، لقوله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عليكم بسنّتي و سنّة الخلفاء الراشدين من بعدي[1] وقوله اقتدوا بالذين من بعدي أبي

(۱) ۱۔ ابو داود، السنن، كتاب السنة، باب في لزوم السنة، ۴: ۲۰۰، رقم: ۴۶۰۷

۲۔ ترمذي، الجامع الصحيح، كتاب العلم، باب ما جاء في الأخذ بالسنة، ۵: ۴۴، رقم: ۲۶۷۶

بکر و عمر(۱) وعلی هذا التأویل یحمل الحدیث الآخر کل محدثة بدعة(۲) إنما یرید ما خالف أصول الشریعة ولم یوافق السُّنَّة.(۳)

''پھر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اس (باجماعت نمازِ تراویح) پر جمع کیا اور ان کو اس کی طرف متوجہ کیا پس اس وجہ سے اس کو بدعت کہا گیا درآں حالیکہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول - علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین من بعدی - اور اس فرمان - اقتدوا بالّذین من بعدی من أصحابی أبی بکر و عمر - کی وجہ سے حقیقت میں سنت ہے۔ پس اس تاویل کی وجہ سے حدیث ''کل محدثة بدعة'' کو اُصولِ شریعت کی مخالفت اور سنت کی عدمِ

۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدین، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۱۷۸، رقم: ۵

۶۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۸: ۲۴۹، رقم: ۶۲۴

(۱) ترمذی، الجامع الصحیح، ابوب المناقب، باب مناقب عبدالله بن مسعود، ۵: ۶۷۲، رقم: ۳۸۰۵

(۲) ۱۔ ابو داود، السنن، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، ۴: ۲۰۰، رقم: ۴۶۰۷

۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة، ۵: ۴۴، رقم: ۲۶۷۶

۳۔ ابن ماجه، السنن، مقدمه، باب اتباع السنة الخلفاء الراشدین، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۶

۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۱۷۸، رقم: ۵

(۳) ابن أثیر جزری، النهایة، فی غریب الحدیث والأثر، ۱: ۱۰۶

موافقت پر محمول کیا جائے گا۔‘‘

۴۔ جمعۃ المبارک کی دوسری اَذان (یعنی وہ اَذان جو وعظ سے قبل شروع میں پڑھی جاتی ہے) کا اِجراء عہدِ عثمانی رضی اللہ عنہ میں ہوا۔ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اِضافی اَذان کا یہ عمل دوسری نمازوں پر قیاس کرتے ہوئے لوگوں کو وقتِ صلوٰۃ کے آغاز کی اطلاع دینے کے لئے شروع کیا اور جمعہ کو اِس اذان سے مختص کر دیا اور اِس اذان کو خطیب کے سامنے دینے کی خصوصیت کو بھی باقی رکھا۔ اس سے یہ اِستنباط ہوتا ہے کہ یہ اِجتہادی عمل معناً اَصل ہے۔ اسے محض بدعت کہہ کر ردّ نہیں کیا جائے گا۔ **امام بخاریؒ** (۲۵۶ھ) نے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

أن التأذين الثانی يوم الجمعة أمر به عثمان بن عفّان حين كثر أهل المسجد۔(۱)

’’جمعہ کے دن دوسری اذان (یعنی وہ اَذان جو وعظ سے قبل شروع میں پڑھی جاتی ہے) کا حکم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دیا جب مسجد میں آنے والوں کی تعداد زیادہ ہوگئی۔‘‘

علامہ ابن رجب حنبلیؒ (۷۹۵ھ) جمعہ کی پہلی اَذان کو بدعتِ حسنہ قرار دیتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

ومن ذلک أذان الجمعة الأوّل زاده عثمان لحاجة الناس إليه، و أقرّه علیٌّ واستمرّ عمل المسلمين عليه. وروی عن ابن عمر أنه

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب الجمعه، باب الجلوس على المنبر، ۱: ۳۱۰، رقم: ۸۷۳
۲۔ شمس الحق، عون المعبود، ۳: ۳۰۲
۳۔ وادیاشی، تحفة المحتاج، ۱: ۵۰۶، رقم: ۶۲۴
۴۔ شوکانی، نیل الاوطار، ۳: ۳۲۳

قال: هو بدعة، ولعله أراد ما أراد أبوه في قيام شهر رمضان۔[(۱)]

''اور اسی طرح جمعہ کی پہلی اذان ہے جس کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی ضرورت کے پیشِ نظر جاری کیا اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اس پر قائم رہے اور اس پر لوگوں نے عمل کرنا شروع کر دیا۔ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے جمعہ کی دوسری اذان کے بارے میں فرمایا کہ وہ بدعت ہے۔ شاید ان کی مراد بھی وہی ہو جو ان کے والد (عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ) کی قیامِ رمضان کے بارے میں تھی۔'' (یعنی جمعہ کی دوسری اَذان بھی **نعم البدعة** ہے۔)

۵۔ معاشرہ چونکہ شریعت سازی کی بنیاد ہے لہٰذا جب معاشرتی احوال میں تبدّل و تغیر ہوگا تو لازمی طور پر اجتہادی بنیادوں پر احکامِ شرعیہ کی شکل وصورت بھی بدلے گی۔ ان نئے احوال کی بنیاد پر نئے احکامِ شرعیہ کو بدعت و ضلالت قرار دینا کہاں کی دانشمندی ہے۔ اس اُصول کو اس واقعہ سے سمجھنے کی کوشش کریں کہ اسلام میں چوری کی سزا قطع ید ہے۔ سورہ المائدہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْآ اَيْدِيَهُمَا۔[(۲)]

''اور چوری کرنے والا (مرد) اور چوری کرنے والی (عورت) سو دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک شخص نے بیت المال سے چوری کی۔ جب معاملہ خلیفۂ وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو آپ نے اس شخص کے ہاتھ کو کاٹنے سے منع کر دیا۔ **امام ابن اَبی شیبہ کوفی** رحمۃ اللہ علیہ (۲۳۵ھ) اس واقعہ کی تفصیل نقل کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

---

(۱) ابن رجب حنبلی، جامع العلوم والحکم، ۳: ۲۵۲

(۲) المائدہ، ۵: ۳۸

ان رجلا سرق من بیت المال فکتب فیه سعد الی عمر فکتب عمر الی سعد لیس علیه قطع له فیه نصیب۔ (۱)

’’ایک شخص نے بیت المال سے چوری کی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اس بارے میں لکھا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سعد کو لکھا کہ اس پر قطع ید نہیں ہے، کیونکہ بیت المال میں اس کا حصہ بھی ہے۔‘‘

امام مالکؒ (۱۷۹ھ) ’’مؤطا‘‘ میں کتاب الحدود، باب ما لا قطع فیه کے ذیل میں نقل کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرو الحضرمی اپنے ایک غلام کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے اور کہا:

إِقْطَعُ يَدَ غُلَامِي هٰذا فَإِنَّهُ سَرَقَ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ مَاذَا سَرَقَ؟ فَقَالَ سَرَقَ مِرْأَةً لِإِمْرَأَتِي ثَمَنُهَا سِتُّونَ دِرْهَمًا فَقَالَ عُمَرُ: أَرْسِلْهُ فَلَيْسَ عَلَيْهِ قَطْعٌ خَادِمُكُمْ سَرَقَ مَتَاعَكُمْ۔ (۲)

’’میرے اس غلام کا ہاتھ کاٹ دیجئے کیونکہ اس نے چوری کی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ چرایا کیا ہے؟ کہا کہ میری بیوی کا آئینہ چرایا ہے جس کی قیمت ساٹھ درہم ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو۔ اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیوں کہ تمہارے ہی خادم نے تمہارے مال کی چوری کی ہے۔‘‘

خلاصۂ بحث

ان سارے نظائر و واقعات سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ اجتہاد اور تجدیدی روش ہی وہ دائمی اصول ہے جو اس دینِ فطرت کی تعلیمات کو

(۱) ابن ابی شیبه، المصنف، ۵: ۵۱۸، رقم: ۲۸۵۶۳

(۲) مالك، المؤطا، كتاب الحدود، باب مالا قطع فيه، ۲: ۸۳۹، رقم: ۱۵۲۸

زمانوں اور معاشروں کے بدلتے ہوئے حالات اور زندگی کے نئے تقاضوں کی تکمیل کے لئے ابدالاباد تک تحرک اور تسلسل دیتا ہے، اسی اصولِ اجتہاد کے باعث شریعتِ اسلامیہ میں جمود پیدا نہیں ہونے پاتا۔ یہی اُصول احکامِ شرعیہ کی دائمی اور متحرک عملیّت اور لازوال مطابقیت برقرار رکھتا ہے جس سے اسلامی نظامِ حیات کی تازگی اور کشش ہمیشہ قائم اور برقرار رہتی ہے۔

بابِ پنجم

اِباحت اور تصورِ بدعت

فصل اَوّل:

اَصلاً تمام اَشیاء مباح ہیں

فصل دوم:

کسی شے کا عدمِ ذکر دلیلِ حرمت نہیں ہے

فصل اَوّل

اَصلاً تمام اَشیاء مباح ہیں

مُباح اُمور پر بدعت کا اِطلاق نہیں ہوتا

اِباحتِ اصلی جاننے کا اُصولی قاعدہ

اِسلام آسان دین ہے

احکامِ شریعت میں سہولت کا بیان

تصرِیحِ محرمات کا قرآنی فلسفہ

مُباح اُمور پر بدعت کا اِطلاق نہیں ہوتا

اِنسانی زندگی میں ہزاروں اَشیاء ایسی ہیں جن کی حلت وحرمت کے بارے میں کتاب وسنت خاموش ہے اس لیے جب تک ان کے عدمِ جواز یا حرمت پر دلیلِ شرعی قائم نہ ہو وہ مباح، جائز اور مشروع ہیں۔ محض عدمِ ثبوتِ ذکر کی بنا پر انہیں حرام نہیں کہا جاسکتا۔ علماء ومحدثین کا اِس اُصول پر اِتفاق ہے کہ حضور ﷺ کا کوئی کام کرنا اُس کے جائز ہونے کی دلیل ہے جب کہ کسی فعل کا ترک فرمانا اُس کے حرام ہونے کی دلیل نہیں تاوقتیکہ اُس کام کی حرمت پر دلیلِ شرعی قائم ہو جائے۔ **علامہ ابن حجر عسقلانیؒ** (۸۵۲ھ) ''فتح الباری بشرح صحیح البخاری'' میں اِس اُصول کو نقل کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ الفعل يدل على الجواز وعدم الفعل لا يدل على المنع[1] (کسی کام کا کرنا اس کے جواز پر دلالت کرتا ہے جب کہ نہ کرنا عدمِ جواز پر دلالت نہیں کرتا)۔ اسی اُصول کی بنا پر علماءِ اُمت نے شریعتِ اسلامیہ کا معروف قاعدہ اور متفقہ اُصول وضع فرمایا ہے:

الأصل فی الاشياء الاباحة۔[2]

''اصلاً ہر چیز میں اِباحت (یعنی جائز ہونا) ہے۔''

---

(۱) ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۱۰: ۱۵۵

(۲) ۱۔ شامی، ردالمختار، ۶: ۴۵۹

۲۔ سرخسی، المبسوط، ۲۴: ۷۷

۳۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۹: ۲۵۶

۴۔ سیوطی، الاشباہ والنظائر، ۱: ۶۰

شریعت کے اِس قاعدے کی رو سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ فی نفسہٖ کوئی کام بھی اَز روئے شرع اس وقت تک ممنوع نہیں ہوتا جب تک کہ اس میں قرآن وسنت کی نص قطعی سے حرمت کا کوئی واضح عنصر ثابت نہ ہو جائے۔

اِباحتِ اَصلی جاننے کا اُصولی قاعدہ

کسی کام کی حلت وحرمت جاننے کا اُصولی ضابطہ یہ ہے کہ ہم ہر اس کام کو جو عہدِ رسالت ﷺ اور عہدِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں نہ تھا اور بعد میں کسی ضرورت کے تحت وجود میں آیا، قرآن وسنت پر پیش کریں گے، اگر قرآن وسنت کا اس کے ساتھ کسی اعتبار سے بھی تعارض ثابت ہو جائے تو وہ بلا شبہ ناجائز، حرام اور گمراہی تصور ہوگا لیکن اگر اس کا قرآن وسنت کے کسی بھی حکم کے ساتھ کوئی تضاد یا تعارض واقع نہ ہو تو اسے گمراہی یا حرام تصور کرنا حکمتِ دین کے منافی اور اِسلام کے متعین کردہ نظامِ حلال و حرام سے انحراف برتنے اور حد سے تجاوز کرنے کے مترادف ہوگا۔ چھوٹے چھوٹے فروعی اور اِختلافی معاملات پر بدعت وشرک کے فتوے صادر کرنے اور اپنی طرف سے بغیر کسی شرعی دلیل کے چیزوں کو حلال وحرام کہنے والے لوگوں کی مذمت میں ارشادِ ربانی ہے:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلَالٌ وَّ هٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللهِ الْكَذِبَ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ○[۱]

”اور وہ جھوٹ مت کہا کرو جو تمہاری زبانیں بیان کرتی رہتی ہیں کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے اس طرح کہ تم اللہ پر جھوٹا بہتان باندھو، بیشک جو لوگ اللہ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں وہ (کبھی) فلاح نہیں پائیں گے○“

(۱) القرآن، النحل، ۱۶: ۱۱۶

اس قاعدے - ألأصل فی الأشیاء الاباحة - کو سمجھانے کے لئے ذیل میں دو مثالیں ذکر کی جاتی ہیں جن سے واضح ہوجائے گا کہ اشیا کا اصل مباح ہونا ہے نہ کہ حرام:

پہلی مثال

اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ فلاں میرا مقروض ہے تو اب دعویٰ کرنے والا خود ہی گواہی پیش کرے گا اور ثابت کرے گا کہ فلاں میرا مقروض ہے۔ مقروض سے یہ تقاضا نہیں کیا جائے گا کہ وہ اپنے مقروض نہ ہونے کا ثبوت پیش کرے کیونکہ اس طرح کا دعویٰ خلافِ اصل ہوگا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اصلاً کوئی بھی ماں کے پیٹ سے مقروض پیدا نہیں ہوتا۔ **اِمام اَبوبکر بیہقیؒ** (۴۵۸ھ) السنن الکبریٰ میں روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

البیّنة علی المدعی و الیمین علی من أنکر۔[۱]

’’گواہی مدعی پر اور قسم اِنکار کرنے والے (مدعیٰ علیہ) پر ہے۔‘‘

امام ترمذیؒ (۲۷۹ھ) اِسی روایت کو أبواب الأحکام میں روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

(۱) ۱۔ بیہقی، السننِ الکبریٰ، ۸: ۱۲۳

۲۔ ابن ماجہ، السنن، کتاب الاحکام، باب البینة علی المدعی، ۲: ۷۷۸

۳۔ بخاری، الصحیح، کتاب الشہادات، باب البیّنة علی المدّعی، ۲: ۹۳۱

۴۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ۳: ۶۲۶، رقم: ۱۳۴۱

۵۔ دارقطنی، سنن دار قطنی، ۴: ۱۵۷

۶۔ ابن ابی شیبہ، المصنف، ۵: ۴۴۱

۷۔ ابن رجب حنبلی، جامع العوم والحکم، ۱: ۷

۸۔ سیوطی، شرح السنن ابن ماجہ، ۱: ۱۵۸

البیّنة علی المدعی و الیمین علی المدّعی علیه۔[1]

’’دلیل لانا مدعی پر ہے اور قسم کھانا مدعٰی علیہ پر ہے۔‘‘

دوسری مثال

اگر آپ نے کوئی نیک عمل کیا، کسی دوسرے شخص نے اِس پر اِعتراض کرتے ہوئے کہا کہ یہ میلاد شریف منانا، انگوٹھے چومنا، مزارات کی حاضری اور اِیصالِ ثواب وغیرہ یہ سب اَعمال بدعتِ سیءہ اور حرام ہیں تو اب آپ کو ان اعمال کے حلال اور جائز ہونے پر دلائل تلاش کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ آپ اس معترض سے کہیں کہ معروف حدیث البیّنة علی المدعی[2] کے تحت وہ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں اس عمل کے حرام اور ناجائز ہونے پر گواہی لائے، کیونکہ اَصلاً کوئی چیز حرام نہیں بلکہ مباح ہوتی ہے جب تک کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ اس کو حرام قرار نہ دے دیں۔ مزید یہ کہ متعدد آیات و

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ابواب الاحکام، باب ماجاء أنّ البینة علی المدعی، ۳: ۶۲۶، رقم: ۱۳۴۱

۲۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الاحکام، باب البینة علی المدعی، ۲: ۷۷۸

۳۔ دارقطنی، سنن دار قطنی، ۴: ۱۵۷

۴۔ ابن ابی شیبه، المصنف، ۵: ۴۴۱

۵۔ بیہقی، سننِ کبریٰ، ۸: ۱۲۳

۶۔ ابن عبد البر، التمهید، ۲۴: ۲۹۶

۷۔ ابو عوانة الاسفرائینی، مسند ابو عوانة، ۴: ۵۳

۸۔ سیوطی، شرح السنن ابن ماجه، ۱: ۱۵۸

(۲) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، ابواب الاحکام، باب ماجاء أنّ البینة علی المدعی، ۳: ۶۲۶، رقم: ۱۳۴۱

۲۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الاحکام، باب البینة علی المدعی، ۲: ۷۷۸

۳۔ دارقطنی، سنن دار قطنی، ۴: ۱۵۷

احادیث مثلاً وَاُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَآءَ ذَالِكُمْ[۱] اور قد فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ[۲] اور وما سكت عنه فهو مما عفا عنه[۳] سے الاصل فی الاشیاء الاباحة[۴] کی واضح طور پر تائید ہوتی ہے۔ مذکورہ شخص نے چونکہ اس چیز کے ناجائز اور مکروہ ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور یہ دعویٰ خلافِ اصل ہے لہٰذا اسے دلیل لانا پڑے گی کہ یہ چیز حرام کس بنیاد پر ہے؟ اگر وہ کہے کہ اس کا کہیں قرآن و حدیث میں ذکر نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس عمل کا کتاب و سنت میں ذکر نہ ہو وہ حلال اور مباح ہوتا ہے یعنی جن اعمال کی حلت و حرمت کے بارے میں کتاب و سنت خاموش ہوں وہ حلال اور مباح ہوتے ہیں اور عدمِ ذکر میں بھی اللہ کی کوئی نہ کوئی حکمت ہوتی ہے، لہٰذا ہمیں بھی اس حکمتِ خداوندی کو وجہِ نزاع نہیں بنانا چاہیے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ أَشْيَآءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ وَ اِنْ

---

(۱) القرآن، النساء، ۴: ۲۴

(۲) القرآن، الانعام، ۶: ۱۱۹

(۳) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب اللباس، باب فی لبس الفراء، ۴: ۲۲۰، رقم: ۱۷۲۶

۲۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الاطعمة، باب أکل الجبن و السمن، ۲: ۱۱۱۷، رقم: ۳۳۶۷

۳۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۶: ۲۵۰، رقم: ۶۱۲۴

۴۔ حاکم، المستدرك، ۴: ۱۲۹، رقم: ۷۱۱۵

۵۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۱۰: ۱۲

۶۔ دیلمی، الفردوس بما ثور الخطاب، ۲: ۱۵۸، رقم: ۲۸۰۰

(۴) ۱۔ شامی، ردالمختار، ۶: ۴۵۹

۲۔ سرخسی، المبسوط، ۲۴: ۷۷

۳۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۹: ۶۵۶

۴۔ سیوطی، الاشباہ والنظائر، ۱: ۶۰

تَسْئَلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْآنُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا اللهُ عَنْهَا وَاللهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌo(۱)

’’اے ایمان والو! تم ایسی چیزوں کی نسبت سوال مت کیا کرو (جن پر قرآن خاموش ہو) کہ اگر وہ تمہارے لئے ظاہر کردی جائیں تو تمہیں مشقت میں ڈال دیں (اور تمہیں بری لگیں) اور اگر تم ان کے بارے میں اس وقت سوال کروگے جبکہ قرآن نازل کیا جارہا ہے تو وہ تم پر (نزولِ حکم کے ذریعے) ظاہر (یعنی متعین) کر دی جائیں گی (جس سے تمہاری صواب دید ختم ہو جائے گی اور تم ایک ہی حکم کے پابند ہو جاؤ گے) اللہ نے ان (باتوں اور سوالوں) سے (اب تک) درگزر فرمایا ہے اور اللہ بڑا بخشنے والا بردبار ہےo‘‘

مذکورہ آیت مقدسہ سے واضح ہورہا ہے کہ اگر کسی چیز کی حلت و حرمت کے بارے میں قرآن خاموش ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز جائز اور حلال ہے۔ اب کسی بھی مسلمان کو اس کی حلت و حرمت پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں ورنہ وہ اپنی کٹ حجتی سے اپنا دائرہ عمل خود اسی طرح تنگ کرتا چلا جائے گا جس طرح سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل نے سوال پر سوال کر کے کر لیا تھا۔ اگر وہ اللہ کے پہلے حکم پر کسی بھی عمر یا رنگ کی گائے ذبح کرنے کے لیے لے آتے اور بے جا سوالات نہ کرتے تو ہر قسم کی گائے ذبح کرنے کی اجازت تھی مگر وہ سوالات کرتے گئے اور ان سوالات کی وجہ سے جو حکم ظاہر ہوتا گیا اس سے ان کا دائرہ عمل تنگ ہوتا گیا حتیٰ کہ بالآخر ایک قسم کی گائے پر جا کر رک گئے کہ بس اسی کو ذبح کرنے کا حکم ہے۔ اس طرح انہوں نے بے مقصد سوالات کی وجہ سے اپنے آپ کو مصیبت میں مبتلا کر لیا اور اپنا دائرہ عمل تنگ کر لیا۔

اِسلام آسان دین ہے

دینِ اِسلام ایک ایسا آسان اور سہل دین ہے جس کے دامنِ رحمت سے وابستہ

(۱) القرآن، المائدۃ، ۵: ۱۰۱

ہو کر انسان قوانینِ فطرت کے تحت پرسکون زندگی بسر کر سکتا ہے۔ اس کے وسیع دامن میں ایسی ناروا تنگی اور تکالیف نہیں کہ اس کو اپنانا مشکل ہو۔ ذیل میں ہم اِسلام کے دینِ یُسر ہونے پر چند آیات اور اَحادیث پیش کرتے ہیں۔

دینِ یُسر پر قرآن حکیم سے دلائل

قرآنِ مجید میں اسلام کے دینِ یسر ہونے پر متعدد آیات ہیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

١۔ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ۔[١]

”دین میں کوئی زبردستی نہیں۔“

٢۔ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ۔[٢]

”اور اس نے تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔“

٣۔ يُرِيْدُ اللهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ۔[٣]

”اللہ تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور تمہارے لئے دشواری نہیں چاہتا۔“

٤۔ يُرِيْدُ اللهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا۔[٤]

”اللہ چاہتا ہے کہ تم سے بوجھ ہلکا کر دے، اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔“

٥۔ لَا يُكَلِّفُ اللهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔[٥]

---

(١) القرآن، البقرہ، ٢:٢٥٦
(٢) القرآن، الحج، ٢٢: ٧٨
(٣) القرآن، البقرہ، ٢:١٨٥
(٤) القرآن، النساء، ٤: ٢٨
(٥) القرآن، البقرہ، ٢:٢٨٦

”اللہ کسی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔“

۶۔ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَo[1]

”بس ہم نے آپ ہی کی زبان میں اس (قرآن) کو آسان کر دیا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریںo“

۷۔ وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَ يَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِىْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ۔[2]

”اور ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتے اور ان پر پلید چیزوں کو حرام کرتے ہیں اور ان سے ان کے بارِگراں اور طوق (قیود) جو ان پر (نافرمانیوں کے باعث مسلط) تھے، ساقط فرماتے (اور انہیں نعمتِ آزادی سے بہرہ یاب کرتے) ہیں۔“

ان آیاتِ مقدسہ سے واضح ہوتا ہے کہ بنی نوعِ اِنسان کو جو اسلام کی صورت میں دین عطا ہوا ہے وہ انہیں تمام پریشانیوں اور مشکلات سے نجات دیتا ہے، کیونکہ ہمارے آقا و مولا نبی آخرالزماں ﷺ مخلوقِ خدا کو تکلیفوں، دشواریوں اور پریشانیوں میں مبتلا کرنے نہیں بلکہ اِنہیں ناروا تنگیوں اور تکلیفوں سے نجات دینے آئے ہیں۔

یہ تمام آیات صراحت کے ساتھ لوگوں کے لئے شرعی اَحکام کی تخفیف اور آسانی پر دلالت کرتی ہیں۔ **اِمام شاطبیؒ** (۷۹۰ھ) اس حوالے سے لکھتے ہیں:

ان الأدلة علی رفع الحرج فی هذه الأمة بلغت مبلغ القطع۔[3]

”اس اُمت سے رفعِ حرج کے دلائل قطعیت تک پہنچ چکے ہیں۔“

(۱) القرآن، الدخان، ۴۴: ۵۸
(۲) القرآن، الاعراف، ۷: ۱۵۷
(۳) شاطبی، الموافقات، ۱: ۳۴۰

دینِ یُسر پر اَحادیثِ نبویہ سے دلائل

آیاتِ مبارکہ کے ساتھ ساتھ اَحادیثِ مقدسہ میں بھی ''دینِ یُسر'' کا یہ مضمون بڑی صراحت سے بیان ہوا ہے۔ حضور علیہ السلام کو مبعوث ہی نہایت آسان اور سہل دین کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اس حوالے سے چند اَحادیثِ مبارکہ درج ذیل ہیں:

۱۔ امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) ''المسند'' میں روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

بعثت بالحنيفية السمحة۔ (۱)

''میں ایسے دینِ حنیف کے ساتھ بھیجا گیا ہوں جو آسان ہے۔''

۲۔ حضرت ابو امامة رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إنما بعثت بالحنيفية السمحة و لم أُبعث بالرهبانية البدعة۔ (۲)

---

(۱) ۱۔ احمد، المسند، ۵: ۲۶۶، رقم: ۲۲۳۴۵
۲۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۸: ۱۷۰، رقم: ۷۷۱۵
۳۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۲: ۲۶۰
۴۔ رویانی، المسند، ۲: ۳۱۷، رقم: ۱۲۷۹
۵۔ مناوی، فیض القدیر، ۳: ۲۰۳
۶۔ سیوطی، تدریب الراوی، ۲: ۳۲۸

(۲) ۱۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۸: ۱۷۰، رقم: ۷۷۱۵
۲۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۴: ۳۰۲
۳۔ احمد، المسند، ۵: ۲۶۶، رقم: ۲۲۳۴۵
۴۔ رویانی، المسند، ۲: ۳۱۷، رقم: ۱۲۷۹
۵۔ مناوی، فیض القدیر، ۳: ۲۰۳
۶۔ سیوطی، تدریب الراوی، ۲: ۳۲۸

''بیشک میں ایسے دین حنیف کے ساتھ بھیجا گیا ہوں جو نہایت آسان ہے اور میں خودساختہ رہبانیت کے ساتھ نہیں بھیجا گیا۔''

۳۔ علامہ خطیب بغدادیؒ (۴۶۳ھ) اس حوالے سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث نقل کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

بعثت بالحنیفیة السّمحة أو السّهلة و من خالف سُنّتی فلیس منّی۔(۱)

''میں نہایت آسان دین یا سہولت والے دین کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہوں۔ اور جس نے میری سنت کی مخالفت کی وہ مجھ سے نہیں۔''

۴۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

بعثت بالحنیفیة السمحة من خالف فقد کفر۔(۲)

(۱) ۱۔ خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ۷: ۲۰۹، رقم: ۳۶۷۸
۲۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۸: ۱۷۰، رقم: ۷۷۱۵
۳۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۴: ۳۰۲
۴۔ احمد، المسند، ۵: ۲۶۶، رقم: ۲۲۳۴۵
۵۔ رویانی، المسند، ۲: ۳۱۷، رقم: ۱۲۷۹
۶۔ مناوی، فیض القدیر، ۳: ۲۰۳
۷۔ سیوطی، تدریب الراوی، ۲: ۳۲۸
۸۔ عجلونی، کشف الخفاء، ۱: ۳۴۰، رقم: ۹۱۴

(۲) ۱۔ ابن حجر عسقلانی، لسان المیزان، ۶: ۳۰
۲۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۸: ۱۷۰، رقم: ۷۷۱۵
۳۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۴: ۳۰۲
۴۔ احمد، المسند، ۵: ۲۶۶، رقم: ۲۲۳۴۵
۵۔ رویانی، المسند، ۲: ۳۱۷، رقم: ۱۲۷۹
۶۔ مناوی، فیض القدیر، ۳: ۲۰۳
۷۔ سیوطی، تدریب الراوی، ۲: ۳۲۸

''میں ایسے دینِ حنیف کے ساتھ بھیجا گیا ہوں جو آسان ہے جس نے اس کی مخالفت کی پس اس نے کفر (یعنی میری سنت سے انکار) کیا۔''

۵۔ ابن حیان انصاری (۳۶۹ھ) نے ''طبقات المحدّثین بأصبهان'' میں درج ذیل حدیث سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

خير دينكم أيسره.(۱)

''تمہارے دین میں بہترین پہلو اس کا آسانی اور سہولت والا عمل ہے۔''

۶۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کا اپنی اُمت کے لئے ''یُسر'' کا انتخاب کرنے کے حوالے سے فرماتی ہیں:

ما خير رسول الله ﷺ بين أمرين قطّ اِلا اَخذَ أَيسرهما مالم يكن إثما.(۲)

(۱) ۱۔ ابن حیان، طبقات المحدثین باصبهان، ۳: ۲۱۴
۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ۳: ۴۷۹
۳۔ طيالسی، المسند، ۱: ۱۸۳، رقم: ۱۲۹۶
۴۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۸: ۲۳۰، رقم: ۵۷۳
۵۔ قضاعی، مسند الشهاب، ۲: ۲۱۹، رقم: ۱۲۲۴
۶۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۳: ۳۰۹
۷۔ ابن حجر عسقلانی، الإصابة، ۳: ۱۳۳

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الادب، باب قول النبی ﷺ یسروا ولا تعسروا، ۵: ۲۲۶۹، رقم: ۵۷۷۵
۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الفضائل، باب مباعدته ﷺ للأثام، ۴: ۱۸۱۳، رقم: ۲۳۲۷
۳۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۵: ۳۷۰، رقم: ۹۱۶۳

”رسول اکرم ﷺ کو جب بھی دو کاموں کے درمیان اختیار دیا گیا تو آپ ﷺ نے ان میں سے آسان کو اختیار فرمایا جبکہ اِس میں گناہ نہ ہو۔“

۷۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے اِرشاد فرمایا:

إن الله يحبّ أن توتى رُخصة كما يحبّ أن توتى عزائمه۔(۱)

”بے شک اللہ تعالیٰ رخصت دینا پسند فرماتا ہے جیسا کہ وہ عزیمت دینا پسند فرماتا ہے۔“

۸۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان الله عزوجل يحب أن يوتى رخصة كما يكره أن توتى معصية۔(۲)

”بے شک اللہ تعالیٰ رخصت دینا پسند فرماتا ہے جیسا کہ گناہ کو ناپسند فرماتا ہے۔“

۹۔ امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۶: ۱۱۴، رقم: ۲۴۸۷۴
۵۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۷: ۴۵، رقم: ۱۳۰۸۱
۶۔ ابو یعلی، المسند، ۷: ۴۳۱، رقم: ۴۴۵۲
۷۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۷: ۲۵۶، رقم: ۷۴۳۴

(۱) ۱۔ ابن ابی شیبہ، المصنف، ۵: ۳۱۷
۲۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۸: ۸۲، رقم: ۸۰۳۲
۳۔ ابن عبد البر، التمہید، ۲۴: ۶۷
۴۔ ابویعلی، المعجم، ۱: ۱۴۲، رقم: ۱۵۴

(۲) ۱۔ ابن خزیمہ، الصحیح، ۲: ۷۳، رقم: ۹۵۰
۲۔ رویانی، المسند، ۲: ۴۲۱
۳۔ ابن جوزی، التحقیق فی أحادیث الخلاف، ۱: ۴۹۵

إن الدّين يسر و لن يشاد الدين أحد اِلاّ غلبه۔ (۱)

’’بیشک یہ دین بہت آسان ہے اور جو اسے مشکل بنائے گا تو یہ دین اس پر غالب آ جائے گا۔‘‘

۱۰۔ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تو ارشاد فرمایا:

يسّرا ولا تعسّرا و بشّرا ولا تنفّرا و تطاوعا و لا تختلفا۔ (۲)

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الايمان، باب الدّين يسر، ۱: ۲۳، رقم: ۳۹
۲۔ نسائی، السنن، کتاب الايمان وشرائعه، باب الدّين يسر، ۸: ۱۲۲، رقم: ۵۰۳۴
۳۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۶: ۵۳۷، رقم: ۱۱۷۶۵
۴۔ ابن حبان، الصحیح، ۲: ۶۳، رقم: ۳۵۱
۵۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۳: ۱۸، رقم: ۴۵۱۸
۶۔ قضاعی، مسند الشهاب، ۲: ۱۰۴، رقم: ۹۷۶
۷۔ ابن عبدالبر، التمهيد، ۵: ۱۲۱

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الجهاد والسير، باب مايكره من التنازع، ۳: ۱۱۰۴، رقم: ۲۸۷۳
۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الجهاد والسير، باب فی الأمر بالتيسير وترك التنفير، ۳: ۱۳۵۹، رقم: ۱۷۳۳
۳۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۴۱۷
۴۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۱۰: ۸۶
۵۔ ابن ابی شیبہ، المصنف، ۵: ۳۱۸
۶۔ عبد الرزاق، المصنف، ۳: ۳۵۶
۷۔ بزار، المسند، ۸: ۱۳۸
۸۔ ابو عوانہ، المسند، ۴: ۲۱۵

’’تم دونوں آسانی پیدا کرنا تنگی نہ کرنا، خوشخبری سنانا متنفر نہ کرنا، باہم خوش دلی سے کام کرنا اور اختلاف میں نہ پڑنا۔‘‘

۱۱۔ حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کو دینِ یُسر کی تعلیم دیتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

إنّما بعثتم ميسّرين ولم تبعثوا معسّرين۔(۱)

’’تمہیں آسانیاں پیدا کرنے والے بنا کر بھیجا گیا ہے نہ کہ تنگیاں پیدا کرنے والے۔‘‘

۱۲۔ حضرت اَنس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے اِرشاد فرمایا:

يسّروا ولا تعسّروا و بشّروا ولا تنفّروا.(۲)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب الصلاة، باب حب الماء على البول فی المسجد، ۱:۸۹، رقم:۲۱۷

۲۔ ترمذی، السنن، ابواب الطهارة، باب ماجاء فی البول بعيب الأرض، ۱: ۲۷۵، رقم: ۱۴۷

۳۔ ابوداود، السنن، كتاب الطهارة، باب الأرض يصيبها البول، ۱: ۱۰۳، رقم: ۳۷۶

۴۔ نسائی، السنن، كتاب الطهارة، باب ترك التوقيت فی الماء، ۱: ۴۸، رقم: ۵۶

۵۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۳۹، رقم: ۷۲۵۴

۶۔ ابن حبان، الصحيح، ۴: ۲۴۴، رقم: ۱۳۹۹

۷۔ عبدالرزاق، المصنف، ۱: ۴۲۳، رقم: ۱۶۵۸

۸۔ ابو يعلى، المسند، ۱۰: ۲۷۸، رقم: ۵۸۷۶

(۲) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب العلم، باب ماكان النبی ﷺ يتخولهم بالموعظة، ۱: ۳۸، رقم: ۶۹

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الجهاد والسير، باب فی الأمر بالتيسير و ترك التنفير، ۳: ۱۳۵۸، رقم: ۱۷۳۲

''آسانیاں پیدا کرو، تنگیاں پیدا نہ کرو، خوشخبریاں سناؤ، نفرتیں مت پھیلاؤ۔''

مذکورہ تمام روایات کے مضمون سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ دینِ اِسلام ہی وہ واحد دین ہے جس میں تمام سہولتیں اور آسانیاں سمو دی گئی ہیں۔ یہ ایک ایسا نظامِ حیات ہے جس پر چلنے والے اِکراہ و تکالیف سے محفوظ و مامون ہیں۔

اَحکامِ شریعت میں سہولت کا بیان

ذیل میں چند ایسے اُمور کا ذکر کیا جاتا ہے جن پر بعض حالات میں شریعت میں رخصت دی گئی ہیں:

۱۔ نماز پڑھنا ہر مسلمان پر فرض ہے لیکن سفر کی حالت میں مشکلات کی وجہ سے سہولت کی خاطر نماز کو قصر پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔[۱] اسی طرح عرفات اور مزدلفہ میں حاجیوں کی سہولت اور آسانی کی خاطر ظہرین اور مغربین کو جمع کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

۲۔ ماہِ رمضان میں حالتِ سفر اور مرض کی وجہ سے روزے قضاء کرنے کی سہولت دی گئی ہے۔[۲]

۳۔ حالت اضطرار میں جان بچانے کیلئے عارضی طور پر حرام چیزوں کو کھانے کی رخصت

۳۔ ابو داود، السنن، کتاب الأدب، باب فی کراھیۃ المراء، ۴: ۲۶۰، رقم: ۴۸۳۵

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۳۹۹

۵۔ ابوعوانۃ، المسند، ۴: ۲۱۵، رقم: ۶۵۵۸

۶۔ ابویعلی، المسند، ۱۳: ۳۰۶، رقم: ۷۳۱۹

۷۔ سیوطی، الجامع الصغیر، ۱: ۱۰۵، رقم: ۱۴۳

۸۔ مناوی، فیض القدیر، ۵: ۱۱۲

(۱) القرآن، النساء، ۴: ۱۰

(۲) البقرہ، ۲: ۱۸۴

دی گئی ہے۔(۱)

شریعت نے یہ سہولتیں صرف مکلّفین کی آسانی کے لئے عطا کی ہیں اور انسانوں سے حتی الامکان ہر قسم کے حرج اور تنگی کو دور کیا ہے۔ دین کا آسان اور قابل عمل ہونا اِس اَمر کا متقاضی ہے کہ قرآن وسنت میں ان چیزوں کی تفصیل دی جائے جو نسبتاً کم اور محدود ہوں تاکہ انسان بآسانی ان کا اِحاطہ کرسکے۔ قرآن کا اپنا اُسلوبِ بیان ہے کہ وہ بالعموم بنیادی اور اُصولی رہنمائی دیتا ہے اور تفصیلات کم بیان کرتا ہے۔ کیونکہ اگر قرآن ہر شئے کی تفصیل بیان کردیتا تو لوگ مشکل میں پڑ جاتے یہی وجہ ہے کہ جب ہم حلال وحرام کی تفصیل جاننے کے لئے قرآنی تعلیمات کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قرآن بالعموم حلال کی بجائے حرام اشیاء کی تفصیلات بیان کرتا ہے کیونکہ حرام حلال کے مقابلے میں کم اور محدود ہیں۔

تصریحِ محرمات کا قرآنی فلسفہ

ربّ کریم اپنے بندوں کے لیے ہر لمحہ آسانیاں پیدا کرنا چاہتا ہے اسی لئے اس نے صرف حرام اور ممنوع اشیاء اور اَفعال کی فہرست بیان فرمائی ہے جو کہ محدود ہیں اور باقی سب کچھ جائز اور مباح کے طور پر ذکر کئے بغیر چھوڑ دیا ہے۔ حرام کی فہرست بیان کرکے بقیہ کا عدمِ ذکر قرآنی فلسفہ کی رو سے اُن کے جواز، اِباحت اور حلّت کی دلیل ہے (و ما سکت عنه فهو مما عفا عنه)۔(۲)

(۱) البقرہ، ۲:۱۷۳

(۲) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب اللباس، باب فی لبس الفراء، ۴: ۲۲۰، رقم: ۱۷۲۶

۲۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الاطعمة، باب أكل الجبن و السمن، ۲: ۱۱۱۷، رقم: ۳۳۶۷

۳۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۶: ۲۵۰، رقم: ۶۱۲۴

ذیل میں قرآن کے حلال و حرام اَحکام کی تفصیل بیان کرنے کے حوالے سے چند آیات بطور نمونہ بیان کی جاتی ہیں جس سے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی قرآن نے بالعموم ناجائز اور حرام اَشیاء کا تذکرہ کر کے باقی ہزاروں اَشیاء کو جائز اور حلال کے طور پر چھوڑ دیا ہے جس سے یہ اُصول وضع ہوتا ہے کہ عدمِ ذکر حرمت کی نہیں بلکہ اِباحت اور جواز کی دلیل ہے۔

۱۔ یہ مسئلہ کہ کن عورتوں سے نکاح جائز ہے اور کن سے نہیں، اس کی تفصیل سورہ نساء میں یوں بیان کی گئی ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ وَ عَمّٰتُكُمْ وَ خٰلٰتُكُمْ وَ بَنٰتُ الْاَخِ وَ بَنٰتُ الْاُخْتِ وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَ اُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَ حَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ لا وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (۱)

’’تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری (وہ) مائیں جنھوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو اور تمہاری رضاعت میں شریک بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں (سب) حرام کر دی گئی ہیں اور (اسی طرح) تمہاری گود میں پرورش پانے والی وہ لڑکیاں بھی جو تمہاری ان عورتوں (کے بطن) سے ہیں جن سے

۴۔ حاکم، المستدرک، ۴: ۱۲۹، رقم: ۷۱۱۵

۵۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۱۰: ۱۲

۶۔ دیلمی، الفردوس بما ثور الخطاب، ۲: ۱۵۸، رقم: ۲۸۰۰

(۱) القرآن، النساء، ۴: ۲۳

صحبت کر چکے ہو (حرام ہیں) پھر اگر تم نے ان سے صحبت نہ کی ہو تو تم پر (ان کی لڑکیوں سے نکاح کرنے میں) کوئی حرج نہیں اور تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں (بھی تم پر حرام ہیں) جو تمہاری پشت سے ہیں اور یہ (بھی حرام ہے) کہ تم دو بہنوں کو ایک ساتھ (نکاح میں) جمع کرو سوائے اس کے کہ جو دورِ جہالت میں گزر چکا۔ بے شک اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔“

قرآن نے نکاح کے لئے جو عورتیں حرام تھیں ان کی تفصیل بیان کر دی اب سوال یہ پیدا ہوا کہ بقیہ رشتے جن کا ذکر نہیں ہوا ان کا کیا حکم ہے؟ تو اس کے جواب میں ارشاد فرمایا گیا:

وَ اُحِلَّ لَکُمۡ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمۡ۔ (۱)

”اور ان کے سوا (جن کا ذکر نہیں ہوا وہ سب عورتیں) تمہارے لئے حلال کر دی گئیں ہیں۔“

۲۔ اسی طرح سورہ بقرہ میں حرام جانوروں کی فہرست دی گئی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیۡکُمُ الۡمَیۡتَةَ وَ الدَّمَ وَ لَحۡمَ الۡخِنۡزِیۡرِ وَ مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیۡرِ اللّٰهِ فَمَنِ اضۡطُرَّ غَیۡرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثۡمَ عَلَیۡهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ○ (۲)

”اس نے تم پر صرف مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور وہ جانور جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو حرام کیا ہے پھر جو شخص سخت مجبور ہو جائے نہ تو نافرمانی کرنے والا ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا تو اس پر (زندگی بچانے کی حد تک کھالینے میں) کوئی گناہ نہیں، بے شک اللہ نہایت بخشنے والا مہربان ہے○“

(۱) القرآن، النساء، ۴: ۲۴

(۲) القرآن، البقرة، ۲: ۱۷۳

۳۔ اِسی مضمون کو سورۂ مائدہ میں مزید تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَ الدَّمُ وَ لَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَ مَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَ اَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ۔[1]

''تم پر مردار (یعنی بغیر شرعی ذبح کے مرنے والا جانور) حرام کر دیا گیا ہے اور (بہایا ہوا) خون اور خنزیر کا گوشت اور وہ (جانور) جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو اور گلا گھٹ کر مرا ہوا (جانور) اور (دھار دار آلے کے بغیر کسی چیز کی) ضرب سے مرا ہو اور اوپر سے گر کر مرا ہوا اور (کسی جانور کے) سینگ مارنے سے مرا ہوا اور وہ (جانور) جسے درندے نے پھاڑ کھایا ہو سوائے اس کے جسے (مرنے سے پہلے) تم نے ذبح کر لیا ہو اور (وہ جانور بھی حرام ہے) جو باطل معبودوں کے تھانوں (یعنی بتوں کے لئے مخصوص کی گئی قربان گاہوں) پر ذبح کیا گیا ہو اور یہ (بھی حرام ہے) کہ تم پانسے (یعنی فال کے تیروں) کے ذریعے قسمت کا حال پوچھو، (یا حصے تقسیم کرو) یہ سب کچھ سخت گناہ ہے۔''

متذکرہ بالا آیاتِ مقدسہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے معروف قرآنی اُسلوب کے مطابق صرف حرام کی فہرست بیان فرما دی ہے اور اس کے علاوہ باقی جانوروں کی جو حلال ہیں تفصیل بیان نہیں فرمائی۔ اگر معاملہ اس کے برعکس ہوتا کہ شریعتِ اِسلامیہ جائز اشیاء کی فہرست کو تفصیل سے بیان کرنے لگتی تو پھر صرف چند مخصوص اشیاء ہی حلت کے لئے باقی بچتیں، ایسی صورت میں یقیناً لوگوں کو بڑی دشواری اور ناقابلِ تصور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔ اور لوگوں کے لیے شریعت کے مطابق زندگی بسر کرنا یقیناً دشوار ہو جاتا لہٰذا اس پر

(۱) القرآن، المائدۃ، ۵: ۳

جتنا شکر بجا لایا جائے کم ہے کہ اللہ رب العزت نے حضور نبی اکرم ﷺ کو ہمارے لئے نہایت آسان دین دے کر مبعوث فرمایا ہے (بعثت بالحنيفية السمحة)۔(۱)

اِباحتِ اَصلی اور مفسّرین کا نقطۂ نظر

ذیل میں ہم قاعدہ فقہیہ الأصل فی الاشیاء الاباحة(۲) کی تائید میں چند معروف مفسرین کا نقطۂ نظر پیش کرتے ہیں جس سے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ روزمرہ کی وہ ہزاروں اَشیاء جن کے بارے میں شریعت خاموش ہے وہ مباح اور جائز ہیں اور جب تک ان کے عدمِ جواز اور حرمت پر کوئی شرعی نص قائم نہ ہو ہم محض عدمِ ذکر کی بنا پر انہیں حرام نہیں کہہ سکتے۔

۱۔ اِمام ابوبکر احمد بن علی جصاص الحنفیؒ (۳۷۰ھ)

امام ابوبکر احمد بن علی جصاص حنفیؒ قرآن کی مختلف آیاتِ مقدسہ سے اِباحتِ اَصلی کی تائید میں اِستدلال کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں:

قوله ﴿هُوَ الَّذِی خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا﴾(۳) و قوله ﴿وَ

(۱) ۱۔ احمد، المسند، ۵: ۲۶۶، رقم: ۲۲۳۴۵
۲۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۸: ۱۷۰، رقم: ۷۷۱۵
۳۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۲: ۲۶۰
۴۔ رویانی، المسند، ۲: ۳۱۷، رقم: ۱۲۷۹
۵۔ مناوی، فیض القدیر، ۳: ۲۰۳
۶۔ سیوطی، تدریب الراوی، ۲: ۳۲۸

(۲) ۱۔ شامی، رد المختار، ۶: ۴۵۹
۲۔ سرخسی، المبسوط، ۲۴: ۷۷
۳۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۹: ۶۵۶
۴۔ سیوطی، الاشباہ والنظائر، ۱: ۶۰

(۳) القرآن، البقرہ، ۲: ۲۹

سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ﴾(۱) و قوله ﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ﴾(۲) يحتج بجميع ذلک فی أن الأشياء علی الإباحة مما لا يحظره العقل فلا يحرم منه شئی الا ما قام دليله۔(۳)

''اللہ تعالیٰ کا فرمان کہ ''وہ وہی ہے جس نے سب کچھ جو زمین میں ہے تمہارے لئے پیدا کیا'' اور اس کا فرمان کہ ''اس نے تمہارے لئے آسمانوں اور زمینوں کی ساری اَشیاء کو مسخر کردیا۔'' ارشادِ باری تعالیٰ کہ ''(اے محبوب ﷺ!) فرما دیجئے اللہ کی اس زینت (و آرائش) کو کس نے حرام کیا ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا فرمائی ہے اور کھانے کی پاک ستھری چیزوں کو (بھی کس نے حرام کیا ہے) ان تمام آیات سے یہ دلیل اَخذ کی جاتی ہے کہ تمام اشیاء اصلاً اباحت پر ہیں جو کہ خلافِ عقل نہ ہوں تو ان میں سے کوئی شے اس وقت تک حرام نہیں ہوسکتی جب تک حرمت کی دلیل قائم نہ ہو۔''

۲۔ امام محمود بن عمر الزمخشریؒ (۵۳۸ھ)

امام جار اللہ زمخشریؒ آیت هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا'(۴) کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

﴿لَكُمْ﴾ لأجلكم ولانتفاعكم به فی دنياكم و دينكم۔ ﴿خَلَقَ لَكُمْ﴾ علی أن الأشياء التی يصح أن ينتفع بها ولم تجر مجری

(۱) القرآن، الجاثیہ، ۴۵:۱۳
(۲) القرآن، الاعراف، ۷: ۳۲
(۳) جصاص، احکام القرآن، ۱: ۲۸
(۴) القرآن، البقرہ، ۲: ۲۹

المحظورات فی العقل خلقت فی الأصل مباحة مطلقا لکل أحد أن یتناولها و یستنفع بها۔[۱]

’’لکم یعنی تمہاری خاطر اور دین و دنیا میں تمہارے فائدے کے لئے پیدا کیا ’’خلق لکم‘‘ اس اُصول پر کہ جن چیزوں سے فائدہ اٹھانا درست ہے اور عقلی ممنوعات میں شامل نہیں۔ اصل میں وہ مطلقاً مباح پیدا کی گئی ہیں ۔ ہر ایک ان کو کھانے اور ان سے فائدہ اُٹھانے کا حق دار ہے۔‘‘

۳۔ اِمام محمد بن احمد مالکی القرطبیؒ (۶۷۱ھ)

امام قرطبیؒ آیت - وَ سَخَّرَ لَکُمْ مَا فِی السَّمٰوَاتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِنْهُ[۲] - کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

إستدل من قال ان اصل الاشياء التی ینتفع بها الاباحة بهذه الاية و ما كان مثلها كقوله ﴿وَ سَخَّرَ لَکُمْ مَا فِی السَّمٰوَاتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِنْهُ الْاٰیَة﴾ حتى یقوم الدلیل على الحظر و عضدوا هذا بأن قالوا أن المأكل الشهیة خلقت مع امكان ألا تخلق فلم تخلق عبثا فلا بدلها من منفعة و تلک المنفعة لا یصح رجوعها إلى الله تعالى لإستغنائه بذاته فهی راجعة إلینا و منفعتنا أما فی نیل لذتها أو فی إجتنابها لنختبر بذالک أو فی إعتبارنا بها و لا یحصل شئی فی تلک الأمور إلاَّ بذوقها فلزم أن تکون مباحة۔[۳]

(۱) زمخشری، الکشاف، ۱: ۱۱۲

(۲) القرآن، الجاثیة، ۴۵: ۱۳

(۳) قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۱: ۲۵۱

''جن لوگوں نے کہا مفید چیزوں میں اَصل اباحت ہے اس اور اس جیسی دوسری آیتوں سے دلیل پکڑی ہے مثلاً فرمان باری تعالیٰ ہے ﴿وَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ﴾ اللہ نے اپنی طرف سے تمہارے تابع فرمان کر دیا جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، جب تک منع پر دلیل قائم نہ ہو جائے اور اس کی تائید اس طرح کی کہ پسندیدہ کھانے پیدا کئے گئے حالانکہ ان کو نہ پیدا کرنا بھی ممکن تھا لہٰذا ان کو فضول پیدا نہیں کیا گیا پس ان کا مفید ہونا ضروری ہے اور یہ تو درست نہیں کہ اس افادیت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے کہ وہ ذات پاک اس سے مستغنی ہے سو یہ افادیت ہماری اور ہماری منفعت کی طرف رجوع کرے گی کہ وہ یا تو لذت حاصل کرنے کے لئے ہے یا ان سے پرہیز کرنے کے لئے تاکہ اس سے ہماری جانچ ہو یا ہم اس سے عبرت حاصل کریں (یا ان پر قیاس کریں) اور ان میں سے ایک مقصد بھی چکھے بغیر حاصل نہیں ہوتا سو لازم ہے کہ اَشیاء اصل میں مباح ہوں۔''

۴۔ اِمام عبداللہ بن محمود بن احمد النسفیؒ (۷۱۰ھ)

اِمام عبداللہ بن محمود احمد النسفیؒ آیت هُوَ الَّذِی خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا[۱] کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وقد استدل الكرخي وابوبكر الرازي والمعتزلة بقوله ﴿خَلَقَ لَكُمْ﴾ على أن الاشياء التي يصح ان ينتفع بها خلقت مباحة في الأصل جميعا۔[۲]

''اور اس آیت مبارکہ - خَلَقَ لَكُمْ - سے امام کرخیؒ امام ابوبکر رازیؒ اور معتزلہ نے اِستدلال کیا ہے کہ تمام نفع بخش اَشیاء اَصلاً اِباحت پر پیدا کی گئی ہیں۔''

(۱) البقرہ، ۲: ۲۹

(۲) نسفی، مدارك التنزيل، ۱: ۳۹

قابلِ اَفسوس پہلو

بڑے تعجب کی بات ہے کہ دین دینے والا خدائے بزرگ و برتر اور دین لے کر آنے والے آقائے نامدار ﷺ تو یہ فرما رہے ہوں کہ إن الدين يسر[1] (اِسلام بہت آسان اورسہل دین ہے) اور خود قرآن بھی یہ پکار پکار کر کہہ رہا ہو کہ لا اكراه فی الدين[2] (دین میں کوئی تنگی یا دشواری نہیں) یعنی قرآن خود بھی دین کو آسان بتائے لیکن دین کی پیروی کرنے والے اور اس کو آگے پہنچانے والے اس کی آسانیوں کو ختم کر کے اسے اتنا مشکل بنا دیں کہ دین ناقابلِ عمل محسوس ہونے لگے تو ایسے میں دین کی طرف کون راغب ہوگا؟

وہ ذات خداوندی تو ہمارے لئے قدم قدم پر آسانیاں پیدا کرنا چاہتی ہے اسی لئے اس نے چند ناجائز اشیاء کی فہرست عطا کر دی اور علاوہ ازیں سب کچھ جائز اور حلال قرار دیا۔ یہ سب کچھ دینِ اسلام کی آسانی کی بیّن شہادت نہیں تو اور کیا ہے؟

اس کے برعکس اگر یوں ہوتا کہ شریعتِ اسلامیہ جائز اشیاء کی فہرست گنوا دیتی اور حکم حلّت میں چند اَشیاء مخصوص کر دیتی تو یقیناً متبعینِ شریعتِ اسلامیہ کو بہت بڑی دشواری اور ناقابلِ تصور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا جس کے نتیجے میں زندگی بسر کرنا یقیناً ایک مسئلہ بن جاتا۔ اِس پر اللہ ﷻ کا جتنا شکر بجا لایا جائے کم ہے کہ اُس نے ہمارے لئے حضور ﷺ

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، ۱:۲۳، كتاب الايمان، باب الدّين يسر، رقم: ۳۹
۲۔ نسائی، السنن، ۸: ۱۲۲، كتاب الايمان وشرائعه، باب الدّين يسر، رقم: ۵۰۳۴
۳۔ نسائی، السنن الكبریٰ، ۶:۵۳۷، رقم: ۱۱۷۶۵
۴۔ ابن حبان، الصحيح، ۲: ۶۳، رقم: ۳۵۱
۵۔ بيهقی، السنن الكبریٰ، ۳: ۱۸، رقم: ۴۵۱۸
۶۔ قضاعی، المسند الشهاب، ۲: ۱۰۴، رقم: ۹۷۶
(۲) القرآن، البقره، ۲:۲۵۶

کو نہایت آسان دین دے کر بھیجا اور اُمت کی سہولت کی خاطر ایک شاندار اُصول وضع فرما دیا کہ جس چیز سے ہم تمہیں منع کردیں اس سے رک جاؤ کیونکہ وہ حرام ہے اور جس چیز کے متعلق خدا اور اس کا رسول ﷺ خاموش رہیں وہ قیامت تک تمہارے لئے جائز اور حلال ہے۔ **اِمام ترمذیؒ** (۲۷۹ھ) جامع ترمذی، کتاب اللباس میں روایت کرتے ہیں جب حضور ﷺ سے گھی، پنیر اور پوستین کے بارے میں اِستفسار کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

الحلال ما أحل الله فی کتابه و الحرام ما حرم الله فی کتابه وما سکت عنه فهو مما عفا عنه۔(۱)

’’وہ (چیز) حلال ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حلال ٹھہرایا ہے اور حرام وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حرام ٹھہرا دیا ہے۔ اور وہ اشیاء جن کے بارے میں سکوت اختیار فرمایا گیا ہے تو وہ تمہارے لئے معاف ہیں۔‘‘

اِس حدیثِ مبارکہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ اَشیاء جن کی حلت حرمت کے

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب اللباس، باب فی لبس الفراء، ۴: ۲۲۰، رقم: ۱۷۲۶
۲۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الاطعمة، باب أکل الجبن و السمن، ۲: ۱۱۱۷، رقم: ۳۳۶۷
۳۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۶: ۲۵۰، رقم: ۶۱۲۴
۴۔ حاکم، المستدرک، ۴: ۱۲۹، رقم: ۷۱۱۵
۵۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۱۰: ۱۲
۶۔ دیلمی، الفردوس بما ثور الخطاب، ۲: ۱۵۸، رقم: ۲۸۰۰
۷۔ ابراہیم حسینی، البیان والتعریف، ۲: ۳۰، رقم: ۹۶۶
۸۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۲: ۲۲۱
۹۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۱: ۲۰۶

بارے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ خاموش ہیں ان کی وضاحت طلب نہ کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ بنی اسرائیل کی طرح تمہارا کثرت سے سوال کرنا تمہارے لئے دشواریاں پیدا کردے۔ ظاہر بات ہے کہ اگر تم ہر چیز پر خدا اور اس کے رسول ﷺ سے سوال کروگے کہ فلاں جائز ہے یا ناجائز؟ تو اگر جواب میں یہ فرما دیا جائے کہ یہ ناجائز ہے تو تم تنگی میں مبتلا ہوجاؤ گے۔

اس اہم بات کو اس واقعہ سے سمجھیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حج کے احکامات نازل کرتے ہوئے فرمایا:

وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلاً. (۱)

''اور اللہ کے لئے لوگوں پر اس گھر کا حج فرض ہے جو بھی اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو۔''

اس پر ایک صحابی نے عرض کیا:

أفي كل عام يا رسول الله؟

''یا رسول اللہ! کیا ہر سال حج فرض ہے؟''

حضور ﷺ نے چہرہ مبارک دوسری طرف پھیر لیا اور خاموش رہے۔ صحابی رضی اللہ عنہ نے پھر پوچھا: ''أفي كل عام يا رسول الله؟'' حضور ﷺ پھر خاموش رہے۔ اس نے تیسری مرتبہ بھی جب یہی سوال دہرایا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا:

لو قلت نعم: لوجبت. ولما إستطعتم ثم قال ذروني ما تركتكم۔ (۲)

(۱) القرآن، آل عمران، ۳: ۹۷

(۲) ا۔ مسلم، الصحیح، کتاب الحج، باب فرض الحج مرة فی العمر، ۲: ۹۷۵، رقم: ۱۳۳۷

۲۔ نسائی، السنن، کتاب مناسك الحج، باب وجوب الحج، ۵: ۱۱۰

”اگر میں ہاں کہہ دیتا تو تو حج ہر سال فرض ہوجاتا اور تم اس کی استطاعت نہ رکھتے جن چیزوں کا بیان چھوڑ دیا کروں تم ان کا سوال مت کیا کرو۔“

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ (۵۵ھ) سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کثرت سے سوالات کرنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا:

إن أعظم المسلمين في المسلمين جرما من سأل عن شيئ لم يحرم على المسلمين فحرم من أجل مسألته۔[1]

۳۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۵۰۸، رقم: ۱۰۶۱۵

۴۔ بیہقی، السنن الکبریٰ ۴: ۳۲۵، رقم: ۸۳۹۸

۵۔ اسحاق بن راھویۃ، المسند، ۱: ۱۳۴، رقم: ۲۰

۶۔ مروزی، السنۃ، ۱: ۴۰، رقم: ۱۲۴

۷۔ ابن حجر عسقلانی، تلخیص الحبیر، ۲: ۲۲۰

۸۔ اصبھانی، المسند المستخرج علی صحیح الامام مسلم، ۴: ۱۱، رقم: ۳۱۰۸

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الفضائل، باب توقیرہ وترک إکثار سؤالہ، ۴: ۱۸۳۱، رقم: ۲۳۵۸

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب مایکرہ من کثرہ، ۶: ۲۶۵۸، رقم: ۶۸۵۹

۳۔ ابو داود، السنن، کتاب السنۃ، باب لزوم السنۃ، ۴: ۲۰۱، رقم: ۴۶۱۰

۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۱: ۱۷۹، رقم: ۱۵۴۵

۵۔ حاکم، المستدرک علی الصحیحین، ۳: ۷۲۵، رقم: ۶۶۲۸

۶۔ بزار، المسند، ۳: ۲۹۲، رقم: ۱۰۸۴

۷۔ ابو یعلی، المسند، ۲: ۱۰۴، رقم: ۷۶۱

۸۔ ابن عبدالبر، التمھید، ۲۱: ۲۹۰

۹۔ بیہقی، المدخل الی السنن الکبریٰ، ۱: ۲۱۸، رقم: ۲۷۸

۱۰۔ قرطبی، جامع لأحکام القرآن، ۶: ۳۳۵

”بے شک مسلمانوں میں سب سے بڑا جرم اس مسلمان کا ہے جو ایسی چیز کے بارے میں سوال کرے جو کہ مسلمانوں پر حرام نہ تھی مگر اس کے سوال کرنے کی وجہ سے حرام کر دی گئی۔“

اسی طرح یہ آیت مبارکہ بھی دین کا مزاج اور شریعت مصطفوی ﷺ کا بنیادی اُصول سمجھنے میں مدد دیتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔(۱)

”اللہ کسی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔“

یہ ہمارے لیے لمحۂ فکریہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کی طاقت سے بڑھ کر اُسے تکلیف نہیں دیتا تو ہم کیوں تنگی اور دشواری کو اپنے لئے دعوت دیتے پھرتے ہیں۔

فلسفۂ حلال وحرام کی روشنی میں تصورِ بدعت

اس بنیادی فلسفۂ دین اور اُصولِ حلت وحرمت کو سمجھنے کے بعد اب تصورِ بدعت کو سمجھنا ہمارے لیے قدرے آسان ہو جائے گا کہ اِس کی رو سے ہر وہ نیا کام جس کے بارے میں کتاب و سنت خاموش ہو وہ ہمارے لئے جائز اور مباح ہے تاوقتیکہ اس کام کی حرمت اور ممانعت کتاب وسنت یا پھر آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہ سے ثابت ہو جائے۔

اب یہ کہنا بالکل بجا طور پر درست تسلیم کیا جائے گا کہ جب کسی چیز کو:

۱۔ قرآن نے ناجائز نہیں کیا۔

۲۔ سنتِ نبوی نے ناجائز نہیں گردانا۔

۳۔ آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہ نے ناجائز قرار نہیں دیا۔ اور

۴۔ نہ ہی اجماع اُمت اس کی حرمت پر متفق ہے۔

(۱) القرآن، البقرة، ۲:۲۸۶

تو اس وقت وہ شے اپنی اِباحت کے اُصول پر جائز رہتی ہے، خواہ نئی ہو یا پرانی۔

زمانہ ایک، حیات ایک، کائنات بھی ایک
دلیلِ کم نظری، قصّۂ جدید و قدیم

کسی شے کا محض پرانا یا نیا ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اس کا معنی تب متعین ہوتا ہے جب وہ شئے کتاب وسنت کی کسوٹی پر پرکھی جائے۔ جو شئے قرآن کی نص سے متعارض ہو یا سنتِ رسول ﷺ اور اِجماعِ صحابہ کی مخالف ہوتو ایسی چیز بہرحال ناجائز اور مردود ہوگی چاہے اسے کرنے والے کوئی بڑے معتبر افراد ہی کیوں نہ ہوں اور اگر کوئی شئے قرآن و سنت اور اِجماع صحابہ کی مخالف نہیں ہے اور اس پر بالصراحت نہی وارد نہیں ہوئی تو وہ شئے جائز ہوگی خواہ ساری اُمت مل کر اس کی حرمت کا فتویٰ کیوں نہ صادر کر دے۔ اس لئے کہ کسی شئے کو حرام کرنے کا اختیار اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ہی ہے کسی اور کو نہیں۔

فصل دوم

کسی شے کا عدمِ ذکر دلیلِ حرمت نہیں ہے

حضور ﷺ اور صحابہ سے کسی عمل کا ذکر ثابت نہ ہونا، بدعتِ محرّمہ نہیں

عدمِ ثبوتِ فعل کے حکم کا اُصولی ضابطہ

نفسِ مسئلہ پر کتاب و سنت کے دلائل

منہاج انٹرنیٹ بیورو کی پیشکش
www.MinhajBooks.com

حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کسی عمل کا ثابت نہ ہونا، بدعتِ محرّمہ نہیں

حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کسی کام کو ترک کر دینا اس کی حرمت کی دلیل نہیں ہوسکتا ورنہ ہر وہ عمل جس کو خود اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیان نہیں کیا اور اس کا ذکر مناسب نہیں سمجھا وہ بھی حرام ہوجاتا، کیونکہ اگر حضور ﷺ یا صحابہ کے ترک کر دینے سے کوئی کام بدعت سیئہ بن جاتا ہے تو کیا قرآن میں ترکِ ذکر سے وہ بدعت نہیں بنے گا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یقیناً بلکہ بطریق اولیٰ بدعتِ مذمومہ بنے گا لہٰذا ہمیں اس حقیقت کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ ترکِ ذکر یا عدمِ ثبوتِ فعل حرمت کی دلیل نہیں کیونکہ عدمِ ثبوتِ فعل اور ثبوت عدمِ جواز (یعنی فعل کا نہ کرنا اور فعل کا حرام ہونا) دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

’’عدمِ ثبوتِ فعل‘‘ کے حکم کا اُصولی ضابطہ

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (۸۵۲ھ) ’’فتح الباری‘‘ میں نقل کرتے ہیں:

الفعل يدل على الجواز وعدم الفعل لايدل على المنع۔(۱)

’’کسی کام کا کرنا اس کے جواز کی دلیل ہے اور نہ کرنا منع کی دلیل نہیں‘‘

علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ (۸۶۱ھ) ’’فتح القدیر‘‘ میں فرماتے ہیں:

ثم الثابت بعد هذا نفي المندوبية أما ثبوت الكراهة فلا اِلاَّ أن

(۱) ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۱۰:۱۵۵

يدل دليل آخر۔(۱)

’’(یعنی حضور نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام ﷢ کے) نہ کرنے سے اِس قدر ثابت ہوا کہ مندوب نہیں۔ رہا کراہت کا ثبوت وہ اس وقت تک متحقق نہیں ہوتا جب تک اور کوئی دلیل اِس (کراھت) پر قائم نہ ہو۔‘‘

نفسِ مسئلہ پر کتاب و سنت سے دلائل

اسلام ایک آسان، واضح اور قابل عمل دین ہے۔ شریعتِ مطہرہ میں کوئی شے اس وقت تک ناجائز اور حرام قرار نہیں پاتی ہے جب تک قرآن وسنت اسے ناجائز اور حرام قرار نہ دے دیں۔ جس شے کو کتاب وسنت میں صراحت کے ساتھ حرام نہیں قرار دیا گیا اسے ازروئے شرع حرام تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں شریعتِ اسلامیہ نے جائز اور حلال اشیاء کی فہرست نہیں گنوائی بلکہ ناجائز اور حرام چیزوں کی فہرست مہیا کر دی ہے جو کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے مقرر کردہ واضح احکام پر مشتمل ہے مثلاً خنزیر، بہتا ہوا لہو، مردار اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کئے گئے جانوروں کے گوشت وغیرہ کو بالصراحت حرام قرار دے دیا گیا۔ اسی طرح دیگر مشروبات و ماکولات، رشتوں، معاملات اور عقائد میں سے جملہ محرمات گنوا کر مسلمانوں کو آگاہ کر دیا گیا کہ فلاں فلاں چیزیں تمہارے لئے حرام ہیں اور ان کے علاوہ اس کائنات ارضی وسماوی میں جو کچھ بھی ہے اسے تمہارے لئے حلال اور مسخر کر دیا تاکہ تم ان سے استفادہ کرو۔ ارشادِ خداوندی ہے:

(۱) ۱۔ ابن ہمام، فتح القدير، ۱: ۴۴۶
۲۔ ابن نجيم حنفی، البحر الرائق، ۱: ۲۶۶
۳۔ ابن عابدين، حاشيہ ابن عابدين، ۲: ۱۴
۴۔ السيواسی، شرح فتح القدير، ۱: ۴۴۶

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ۔(۱)

’’اور اُس نے تمہارے لئے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، سب کو اپنی طرف سے (نظام کے تحت) مسخر کر دیا ہےo‘‘

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی جملہ نعمتیں انسان کے لئے پیدا کیں اور ان پر اسے جائز استعمال کا اختیار دے کر احسان فرمایا۔ اگر وہ خالقِ کائنات، رحمٰن و رحیم خود انسان پر ان نعمتوں کو حرام ٹھہرا دیتا اور انہیں ان سے مستفید ہونے کی اجازت نہ دیتا تو اس کا کیا ہوا یہ وعدہ کیونکر اس کے رب العالمین ہونے پر شہادت فراہم کرتا جو اس قرآنی ارشاد میں مذکور ہے:

اَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللهَ سَخَّرَلَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَ بَاطِنَةً۔(۲)

’’(لوگو!) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے تمہارے لئے ان تمام چیزوں کو مسخّر فرما دیا ہے جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں، اور اس نے اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں تم پر پوری کر دی ہیں۔‘‘

قرآنی ارشاد کی رو سے حلال و جائز اشیاء کے عموم کے پیشِ نظر جب ہم حرام اشیاء پر غور کرتے ہیں تو یہاں بھی ہمیں اس کی رحمتوں اور بے پایاں مہربانیوں کا اعتراف کرنا پڑتا ہے اس لئے کہ جو اشیاء بھی اسلام میں حرام ٹھہرائی گئی ہیں خواہ ان کا حکم اللہ رب العزت نے دیا ہو یا اس کے پیارے رسول ﷺ نے انہیں اپنے تشریعی و تکوینی اختیارات سے حرام ٹھہرایا ہو، وہ حکم کسی خاص مصلحت اور حکمت پر مبنی ہوتا ہے مثلاً اسلامی شریعت میں حرام کی گئی اشیائے خورد و نوش میں جو قباحتیں اور ضرر رسانیاں مضمر ہیں چودہ صدیاں

(۱) القرآن، الجاثیہ، ۴۵: ۱۳

(۲) القرآن، لقمان، ۳۱: ۲۰

گزرنے کے بعد آج انہیں جدید سائنسی تحقیقات ان کی تصدیق کر رہی ہیں۔ مذکورہ ضرر رساں اشیاء کے علاوہ کائنات کی تمام چیزیں حلال قرار دی گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

هُوَ الَّذِی خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا۔(۱)

''وہی (اللہ) ہے جس نے زمین کی ساری چیزیں تمہارے لئے پیدا کر دیں۔''

اصل حقیقت یہ ہے کہ قرآن نے حرام چیزیں بیان کر دی ہیں اور جن چیزوں کے بارے میں خاموش ہے وہ جائز ہیں۔قرآن کا قاعدہ ہے:

قَدْ فَصَّلَ لَکُمْ مَا حَرَّمَ عَلَیْکُمْ۔(۲)

''اس نے تمہارے لئے ان (تمام) چیزوں کو تفصیلاً بیان کردیا ہے جو اس نے تم پر حرام کی ہیں۔''

اس آیت سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ جن کا ذکر نہیں کیا گیا وہ حلال ہیں کیونکہ ترکِ ذکر کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ مباح ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ **ترکِ ذکر اباحت کی دلیل ہے نہ کہ حرمت کی۔**

ایک اور مقام پر قرآن محرمات (وہ عورتیں جن سے شادی کرنا ممنوع ہیں) کا ذکر کرنے کے بعد کہتا ہے:

وَ اُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذَالِکُمْ۔(۳)

''اور اس کے سوا (سب عورتیں) تمہارے لئے حلال کر دی گئی ہیں۔''

اس آیت مبارکہ میں قرآن واضح کر رہا ہے کہ ترکِ ذکر حرمت کی نہیں بلکہ حلت کی دلیل ہے تو جب قرآن میں ترک ذکر حلت کی دلیل ہے تو پھر حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ترکِ فعل کیسے حرمت کی دلیل بن گیا۔

(۱) القرآن، البقرۃ، ۲: ۲۹

(۲) القرآن، الانعام، ۶: ۱۱۹

(۳) القرآن، النساء، ۴: ۲۴

قابلِ توجہ نکتہ

اس تصریح کے بعد یہ اَمر بھی قابل توجہ ہے کہ شریعت اگر اس چیز کا نام ہو کہ جسے خدا اور اس کے رسول ﷺ نے جائز اور حلال فرمایا اس کو جائز اور جس پر شریعت خاموش ہے اس کو ناجائز اور حرام ٹھہرا لیا جائے تو پھر روز مرہ زندگی میں صبح شام ہزاروں امور ایسے ہیں جن کا حکم نہ اللہ نے دیا ہے اور نہ حضور ﷺ نے ان کے متعلق بظاہر کچھ فرمایا ہے مثلاً ہمارے کھانے، پینے، پہننے، اوڑھنے اور بچھونے کی اَشیاء غرضیکہ ہمارا ہر لمحہ حیات ایسی چیزوں سے وابستہ ہے جو ہماری زندگی میں جزو لاینفک کی حیثیت حاصل کر چکی ہیں جو عہدِ نبوی اور دورِ صحابہ میں موجود نہیں تھیں، تو وہ بھی حرام ٹھہریں گی اور اس طرح ان لاکھوں نئے معاملات میں گھری ہوئی ہماری مکمل زندگی اس تصور بدعت کے زمرے میں آ کر جمود و تعطل کا شکار ہو جائے گی اور شریعتِ اسلامیہ کی کشش اور تازگی ختم ہو جائے گی۔ یقیناً ایسا نہیں ہے بلکہ وہ معاملات جن کے متعلق قرآن وسنت کے صریح احکامات موجود نہیں ہیں انہیں حضور ﷺ نے **وما سکت عنه فهو مما عفا عنه** فرما کر جائز اور مباح قرار دے دیا۔ اس حوالے سے چند احادیث ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ **اِمام ترمذیؒ** (۲۷۹ھ) جامع ترمذی، کتاب اللباس میں روایت کرتے ہیں جب حضور ﷺ سے ایک بار گھی، پنیر اور دوسری اشیائے خوردنی کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

الحلال ما أحلّ الله فی کتابه و الحرام ما حرّم الله فی کتابه وما سکت عنه فهو مما عفا عنه۔ (۱)

(۱) ۱۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب اللباس، باب فی لبس الفراء، ۴: ۲۲۰، رقم: ۱۷۲۶

۲۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الاطعمة، باب أکل الجبن و السمن، ۲: ۱۱۱۷، رقم: ۳۳۶۷

’’وہ (چیز) حلال ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حلال ٹھہرایا ہے اور حرام وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حرام ٹھہرا دیا ہے۔ اور وہ اشیاء جن کے بارے میں سکوت اختیار فرمایا گیا ہے تو وہ تمہارے لئے معاف ہیں۔‘‘

۲۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ما أحلّ اللہ فی کتابہٖ فھو حلال وما حرّم فھو حرام و ما سکت عنہُ فھو عافیۃ فاقبلوا من اللہ عافیۃ ان اللہ لم یکن نسیا۔ (۱)

...... ۳۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۶: ۲۵۰، رقم: ۶۱۲۴
۴۔ حاکم، المستدرک، ۴: ۱۲۹، رقم: ۷۱۱۵
۵۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۱۰: ۱۲
۶۔ دیلمی، الفردوس بما ثور الخطاب، ۲: ۱۵۸، رقم: ۲۸۰۰
۷۔ ابراہیم حسینی، البیان والتعریف، ۲: ۳۰، رقم: ۹۶۶
۸۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۲: ۲۲۱
۹۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۱: ۲۰۶

(۱) ۱۔ بیہقی، سنن الکبریٰ، ۱۰: ۱۲
۲۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب اللباس، باب فی لبس الفراء، ۴: ۲۲۰، رقم: ۱۷۲۶
۳۔ ابن ماجہ، السنن، کتاب الاطعمۃ، **باب أکل الجبن و السمن**، ۲: ۱۱۱۷، رقم: ۳۳۶۷
۴۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۶: ۲۵۰، رقم: ۶۱۲۴
۵۔ حاکم، المستدرک، ۴: ۱۲۹، رقم: ۷۱۱۵
۶۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۱۰: ۱۲
۷۔ دیلمی، الفردوس بما ثور الخطاب، ۲: ۱۵۸، رقم: ۲۸۰۰
۸۔ ابراہیم حسینی، البیان والتعریف، ۲: ۳۰، رقم: ۹۶۶

''جس (چیز) کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال قرار دیا ہے وہ حلال ہے اور جس (چیز) کو حرام قرار دیا ہے وہ حرام ہے۔ اور جس (چیز) پر خاموشی اختیار کی ہے تو وہ تمہارے لیے معاف ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ سے عافیت لے لو بے شک اللہ تعالیٰ بھولنے والا نہیں۔''

۳۔ ایک اور حدیث مبارکہ میں حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ان اللّٰہ تعالیٰ فرض فرائض فلا تضیعوھا وحرّم حرمات فلا تنتھکوھا وحدّ حدوداً فلا تعتدوھا وسکت عن أشیاء من غیر نسیان فلا تبحثوا عنھا۔[1]

''بے شک اللہ تعالیٰ نے کچھ باتیں فرض کی ہیں۔ انہیں ہاتھ سے نہ جانے دو اور کچھ حرام فرمائی ہیں ان کی حرمت نہ توڑو اور کچھ حدیں باندھی ہیں ان سے آگے نہ بڑھو اور کچھ چیزوں سے بغیر بھولے سکوت فرمایا ہے ان کی کھوج نہ لگاؤ۔''

ملا علی قاریؒ (المتوفی ۱۰۱۴ھ) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اِس ارشاد کہ لا تبحثوا عن

(۱) ۱۔ دارقطنی، السنن، ۴: ۱۸۴، رقم: ۴۲
۲۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۲۲: ۲۲۲، رقم: ۵۸۹
۳۔ بیھقی، السنن الکبریٰ، ۱۰: ۱۲
۴۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۱: ۱۷۱
۵۔ ذہبی، سیر اعلام النبلاء، ۱۷: ۲۲۶
۶۔ ابو نعیم، حلیۃ الاولیاء، ۹: ۱۷
۷۔ قرطبی، الجامع لاحکام القران، ۶: ۳۳۴
۸۔ طبری، جامع البیان، ۷: ۸۵

تلک الاشیاء (ان چیزوں سے بحث نہ کرو) کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

دل علی أن الاصل فی الاشیاء الاباحة کقوله تعالٰی هو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعًا۔(۱)

’’یہ فرمانِ نبوی بھی اِس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اَشیاء میں اصل اِباحت ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اِرشاد ’’**هوالذی خلق لکم ما فی الارض جمیعًا**‘‘ سے اباحت ثابت ہوتی ہے۔‘‘

۴۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! تم پر حج فرض ہو گیا پس حج کیا کرو۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا حج ہر سال فرض ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہے حتی کہ اس نے تین بار یہی سوال کیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر میں ہاں کہہ دیتا تو حج ہر سال فرض ہو جاتا اورتم اس کی ادائیگی کی طاقت نہ رکھتے پھر آپ نے فرمایا:

ذرونی ما ترکتکم فإنما هلک من کان قبلکم بکثرة سؤالهم و إختلافهم علی أنبیائهم فَاِذَا أمرتکم بشيءٍ فأتوا منه ما استطعتم و إذا نهیتکم عن شئ فدعوه۔(۲)

(۱) ملاعلی قاری، مرقاة المفاتیح شرح مشکوٰة المصابیح، ۱: ۲۲۳

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الحج، باب فرض الحج، ۲: ۹۷۵، رقم: ۱۳۳۷

۲۔ ابن ماجه، السنن، باب اتباع سنة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ۱: ۳، رقم: ۲

۳۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۵۰۸، رقم: ۱۰۶۱۵

۴۔ اسحاق بن راهویه، المسند، ۱: ۱۵۱، رقم: ۹۱

۵۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۴: ۳۲۵، رقم: ۸۳۹۸

۶۔ ابو نعیم، المسند المستخرج علی صحیح الامام المسلم، ۴: ۱۱، رقم: ۳۱۰۸

۷۔ ابن رجب، جامع العلوم والحکم، ۱: ۸۹

”جس بات کی میں نے تم پر تنگی نہیں کی اس میں مجھ سے تفتیش (یعنی سوال) نہ کیا کرو کیونکہ اگلی اُمتیں اپنے اَنبیاء سے کثرت سے سوالات کرنے اور ان سے اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئیں۔ پس جب میں کسی چیز کا حکم دوں تو اسے بقدر قدرت بجا لاؤ اور جب کسی چیز سے منع کروں تو اس کو چھوڑ دو۔“

۵۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی درج بالا حدیثِ مبارکہ صحیح ابن حبان میں ان الفاظ سے بھی مروی ہے:

ذرونی ما ترکتکم فإنما هلک الذین قبلکم بکثرة سؤالهم و إختلافهم علی أنبيائهم فإذا نهيتکم عن شيء فاجتنبوه و إذا أمرتکم بأمر فأتوا منه ما استعطتم۔(۱)

”جس بات کی میں نے تم پر تنگی نہیں کی اس میں مجھ سے تفتیش (یعنی سوال) نہ کرو کیونکہ اگلی اُمتیں اپنے اَنبیاء سے کثرتِ سوالات اور ان سے اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئیں پس میں جس بات سے منع کروں تو اس سے بچو اور جس کا حکم دوں اسے بقدر استطاعت بجا لاؤ۔“

(۱) ۱۔ ابن حبان، الصحیح، ۹: ۱۸، رقم: ۳۷۰۴
۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۴۷، رقم: ۷۳۶۱
۳۔ ابن راهوية، المسند، ۱: ۱۳۴، رقم: ۶۰
۴۔ ابو یعلی، المسند، ۱۱: ۱۹۵، رقم: ۶۳۰۵
۵۔ دیلمی، الفردوس بمأثور الخطاب، ۲: ۲۴۱، رقم: ۳۱۳۷
۶۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۱: ۱۵۸
۷۔ ابن رجب، جامع العلوم والحکم، ۱: ۸۹
۸۔ هبة الله، اعتقاد اهل السنة، ۱: ۱۱۴، رقم: ۱۷۶
۹۔ ذهبی، سیر اعلام النبلاء، ۵: ۳۱۲

خلاصۂ بحث

ان آیات واحادیث کی روشنی میں شریعتِ مطہرہ کا یہ اُصول اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے یعنی جن اشیاء کو شریعت نے حلال قرار دیا وہ حلال ہیں اور جنہیں حرام قرار دیا وہ حرام ہیں اور جن اشیاء کے بارے میں خاموشی اختیار کی گئی ان کے بارے میں کوئی بھی حکم حلال و حرام کا نہ دیا گیا ہو وہ مباح اور جائز ہوں گی کسی شئے کو محض عدمِ ذکر یا عدمِ ثبوت کی وجہ سے ناجائز یا حرام تصور کرنا شریعت کے منافی اور اسلام کے متعین کردہ نظامِ حلت و حرمت سے انحراف کے مترادف ہے کیونکہ کسی شے پر شارع علیہ السلام کا سکوت فرمانا بذاتِ خود اس شئے کے مباح اور جائز ہونے کی دلیل ہے۔

مآخذ و مراجع

۱۔ القرآن الحکیم۔

۲۔ آجرّی، ابو بکر محمد بن حسین بن عبداللہ (م ۳۶۰ھ)۔ کتاب الشریعۃ۔ ریاض، سعودی عرب: دار الوطن، ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء۔

۳۔ آلوسی، ابو الفضل شہاب الدین السید محمود ۔ روح المعاني في تفسیر القرآن العظیم و السبع المثاني۔ بیروت، لبنان: دار الاحیاء التراث ۔

۴۔ ابن ابی حاتم رازی، ابو محمد عبد الرحمٰن (۲۴۰۔۳۲۷/۸۵۴۔۹۳۸)۔ الجرح و التعدیل۔ حیدرآباد دکن، بھارت ،مجلس دائرہ معارف عثمانیہ۔

۵۔ ابن ابی دنیا، عبداللہ بن محمد ابوبکر القریشی (۲۰۸۔۲۸۱ھ)۔ مکارم الاخلاق۔ قاہرہ، مصر: مکتبۃ القرآن، ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۰ء۔

۶۔ ابن ابی شیبہ، ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابراہیم بن عثمان کوفی (۱۵۹۔۲۳۵ھ/ ۷۷۶۔۸۴۹ء)۔ المصنف۔ ریاض، سعودی عرب: مکتبۃ الرشد، ۱۴۰۹ھ۔

۷۔ ابن ابی عاصم، ابوبکر بن عمرو بن ضحاک بن مخلد شیبانی (۲۰۶۔۲۸۷ھ/۸۲۲۔ ۹۰۰ء)۔ السنۃ۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۴۰۰ھ۔

۸۔ ابن اثیر، ابو الحسن علی بن محمد بن عبد الکریم بن عبد الواحد شیبانی جزری (۵۵۵۔ ۶۳۰ھ/۱۱۶۰۔۱۲۳۳ء)۔ الکامل فی التاریخ۔ بیروت، لبنان: دار صادر، ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء

۹۔ ابن اثیر، ابو السعادات مبارک بن محمد بن محمد بن عبد الکریم بن عبدالواحد شیبانی

جزری (۵۴۴۔۶۰۶ھ/ ۱۱۴۹۔۱۲۱۰ء)۔ النهایه فی غریب الحدیث والأثر۔ قم، ایران: مؤسسہ مطبوعاتی اسماعیلیان،۱۳۶۴ھ۔

۱۰۔ ابن باز، عبدالعزیز بن عبد اللہ بن باز، (۱۴۲۱ھ)۔ فتاوی اللّجنه الدائمة للبحوث العلمیه و الإفتاء۔ الریاض، سعودی عرب: مکتبۃ المعارف،۱۴۱۲ھ۔

۱۱۔ ابن تیمیہ، احمد بن عبدالحلیم بن عبد السلام حرانی (۶۶۱۔۷۲۸ھ/۱۲۶۳۔ ۱۳۲۸ء)۔ منهاج السنة۔ مصر: مطبعہ امیریہ کبریٰ بولاق۔

۱۲۔ ابن تیمیہ، احمد بن عبدالحلیم بن عبد السلام حرانی (۶۶۱۔۷۲۸ھ/۱۲۶۳۔ ۱۳۲۸ء)۔ کتب و رسائل و فتاوی ابن تیمیه فی الفقه۔ مکتبۃ ابن تیمیہ۔

۱۳۔ ابن جارود، ابو محمد عبد اللہ بن علی بن جارود نیشاپوری (۳۰۷ھ)۔ المنتقی من السنن المسندة۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الکتاب الثقافیۃ، ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۸۸ء۔

۱۴۔ ابن جعد، ابو الحسن علی بن جعد بن عبید ہاشمی (۱۳۳۔۲۳۰ھ/ ۷۵۰۔۸۴۵ء)۔ المسند۔ بیروت، لبنان: مؤسسہ نادر، ۱۴۱۰ھ/ ۱۹۹۰ء۔

۱۵۔ ابن جوزی، ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد بن علی بن عبید اللہ (۵۱۰۔۵۹۷ھ/ ۱۱۱۶۔۱۲۰۱ء)۔ المنتظم فی تاریخ الملوک والأمم۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۵ھ/ ۱۹۹۵ء۔

۱۶۔ ابن جوزی، ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد بن علی بن عبید اللہ (۵۱۰۔۵۹۷ھ/ ۱۱۱۶۔۱۲۰۱ء)۔ تلبیس اِبلیس۔ قاہرہ، مصر: منشورات مکتبۃ التحریر۔

۱۷۔ ابن جوزی، ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد بن علی بن عبید اللہ (۵۱۰۔۵۹۷ھ/ ۱۱۱۶۔۱۲۰۱ء)۔ التحقیق فی أحادیث الخلاف۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۵ھ/ ۱۹۹۵ء۔

۱۸۔ ابن حبان، ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان (۲۷۰۔۳۵۴ھ/۸۸۴۔

۹۶۵ء)۔ طبقات المحدثین باصبهان و الواردین علیها۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء۔

۱۹۔ **ابن حبان،** ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان (۲۷۰۔۳۵۴ھ/۸۸۴۔۹۶۵ء)۔ الصحیح۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء۔

۲۰۔ **ابن حبان،** ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان (۲۷۰۔۳۵۴ھ/۸۸۴۔۹۶۵ء)۔ السیرۃ النبویۃ واخبار الخلفاء۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الکتب الثقافیہ، ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷ء۔

۲۱۔ **ابن حجر مکی،** الشیخ احمد شہاب الدین بن حجر الھیتمی المکی (۹۰۹/۹۷۴ھ)۔ فتاوی حدیثیۃ۔ القاہرہ، مصر: مکتبہ مصطفیٰ البانی الحلبی، ۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء۔

۲۲۔ **ابن حزم،** علی بن احمد بن سعید بن حزم اندلسی (۳۸۴۔۴۵۶ھ/۹۹۴۔۱۰۶۴ء)۔ الاحکام فی اُصول الاحکام۔ فیصل آباد، پاکستان: ضیاء السنہ ادارۃ الترجمۃ والتعریف، ۱۴۰۴ھ۔

۲۳۔ **ابن حزم،** علی بن احمد بن سعید بن حزم اندلسی (۳۸۴۔۴۵۶ھ/۹۹۴۔۱۰۶۴ء)۔ المحلی بلآثار۔ بیروت، لبنان: دار الآفاق الجدیدہ۔

۲۴۔ **ابن حمید،** عبد بن حمید بن نصر ابو محمد الکسي (۲۴۹ھ)۔ المسند۔ قاہرہ، مصر: مکتبۃ السنۃ، ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء

۲۵۔ **ابن خزیمہ،** ابو بکر محمد بن اسحاق (۲۲۳۔۳۱۱ھ/ ۸۳۸۔۹۲۴ء)۔ الصحیح۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء۔

۲۶۔ **ابن خلدون،** عبدالرحمٰن بن خلدون (۷۳۲۔۸۰۸ھ)۔ تاریخ ابن خلدون۔ ازہر، مصر: المطبعۃ البھیۃ المصریۃ۔

۲۷۔ **ابن راہویہ،** ابو یعقوب اسحاق بن ابراہیم بن مخلد بن ابراہیم بن عبداللہ (۱۶۱۔

۲۳۷ھ/ ۸۷۷۔۸۵۱ء)۔ المسند۔ مدینہ منورہ، سعودی عرب: مکتبۃ الایمان، ۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۱ء۔

۲۸۔ **ابن رجب حنبلی**، ابو الفرج عبد الرحمٰن بن احمد (۷۳۶۔۷۹۵ھ)۔ جامع العلوم والحکم فی شرح خمسین حدیثا من جوامع الکلم۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۴۰۸ھ۔

۲۹۔ **ابن رجب حنبلی**، ابو الفرج عبد الرحمٰن بن احمد (۷۳۶۔۷۹۵ھ)۔ التخویف من النار۔ دمشق: مکتبہ دار البیان، ۱۳۹۹ھ۔

۳۰۔ **ابن سعد**، ابو عبد اللہ محمد (۱۶۸۔۲۳۰ھ/ ۷۸۴۔۸۴۵ء)۔ الطبقات الکبریٰ۔ بیروت، لبنان: دار بیروت للطباعہ والنشر، ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء۔

۳۱۔ **ابن سلام**، ابی عبد القاسم بن سلام (۲۲۴ھ)۔ کتاب الأموال۔ قاہرہ، مصر، دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع۔

۳۲۔ **ابن عابدین شامی**، محمد بن محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین دمشقی (۱۲۴۴۔۱۳۰۶ھ)۔ رد المحتار علی درالمختار۔ کوئٹہ، پاکستان: مکتبہ ماجدیہ، ۱۳۹۹ھ۔

۳۳۔ **ابن عبد البر**، ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد (۳۶۸۔۴۶۳ھ/ ۹۷۹۔۱۰۷۱ء)۔ الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب۔ بیروت، لبنان: دار الجیل، ۱۴۱۲ھ۔

۳۴۔ **ابن عبد البر**، ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد (۳۶۸۔۴۶۳ھ/ ۹۷۹۔۱۰۷۱ء)۔ التمہید۔ مغرب (مراکش): وزارت عموم الأوقاف، ۱۳۸۷ھ۔

۳۵۔ **ابن عبد السلام**، امام عز الدین بن عبد السلام السلمی الشافعی (۵۷۷۔۶۶۰ھ/ ۱۱۸۱۔۱۲۶۲ء)۔ قواعد الأحکام فی مصالح الأنام۔ بیروت، لبنان: ناشر دار الکتب العلمیۃ۔

۳۶۔ **ابن عبدالسلام**، امام عزالدین بن عبدالسلام السلمی الشافعی (۵۷۷۔۶۶۰ھ/ ۱۱۸۱۔۱۲۶۲ء)۔ فتاوی العز بن عبد السلام۔ بیروت، لبنان: دارالمعرفۃ، ۱۴۰۶ھ

۳۷۔ **ابن فارس (۱۰۰۴ھ)**، تحقیق عبدالسلام ہارون۔ معجم مقاییس اللغۃ۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیۃ

۳۸۔ **ابن قتیبہ**، ابومحمد عبداللہ بن مسلم الدینوری (۲۱۳۔ ۲۷۶ھ)۔ المعارف۔ قاہرۃ، دار المعارف

۳۹۔ **ابن قدامہ**، ابو محمد عبداللہ بن احمد المقدسی (۶۲۰ھ)۔ المغنی فی فقہ الامام احمد بن حنبل الشیبانی۔ بیروت، لبنان: دارالفکر، ۱۴۰۵ھ۔

۴۰۔ **ابن قیم**، محمد ابی بکر، ایوب الزرعی، ابوعبداللہ (۶۹۱۔۷۵۱ھ)۔ أعلام الموقعین عن رب العالمین۔ مصر، مطبعۃ السعادۃ، ۱۳۷۴ھ۔

۴۱۔ **ابن کثیر**، ابو الفداء اسماعیل بن عمر (۷۰۱۔۷۷۴ھ/ ۱۳۰۱۔۱۳۷۳ء)۔ البدایۃ والنہایۃ۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔

۴۲۔ **ابن کثیر**، ابو الفداء اسماعیل بن عمر (۷۰۱۔۷۷۴ھ/ ۱۳۰۱۔۱۳۷۳ء)۔ تحفۃ الطالب۔ مکہ مکرمۃ، دارحراء، ۱۴۰۶ھ۔

۴۳۔ **ابن کثیر**، ابو الفداء اسماعیل بن عمر (۷۰۱۔۷۷۴ھ/ ۱۳۰۱۔۱۳۷۳ء)۔ تفسیر القرآن العظیم۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء۔

۴۴۔ **ابن ماجہ**، ابوعبداللہ محمد بن یزید قزوینی (۲۰۹۔۲۷۳ھ/ ۸۲۴۔۸۸۷ء)۔ السنن۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔

۴۵۔ **ابن منظور افریقی**، امام العلامۃ ابو الفضل جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور المصری الافریقی (۷۱۱ھ)۔ لسان العرب۔ بیروت، لبنان: دار صادر۔

۴۶۔ **ابن نجیم**، الشیخ زین بن ابرہیم بن محمد بن محمد بن بکر الحنفی (۹۷۰ھ)۔ البحر

الرائق شرح كنز الدقائق۔ مصر: مطبوعۃ مطبعۃ علمیۃ، ۱۳۱۱ھ۔

۴۷۔ **ابن ہمام**، کمال الدین محمد بن عبد الواحد السیواسی (۶۸۱ھ)۔ فتح القدير۔ کوئٹہ، پاکستان: مکتبہ رشیدیہ۔

۴۸۔ **ابن ہمام**، کمال الدین محمد بن عبد الواحد السیواسی (۶۸۱ھ)۔ شرح فتح القدير۔ مصر: المکتبۃ التجاریۃ الکبری۔

۴۹۔ **ابو احمد الجرجانی**، عبداللہ بن عدی الجرجانی (۳۶۵ھ)۔ الكامل في الضعفاء الرجال۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۲ھ۔

۵۰۔ **ابو الحسن الأشعری**، امام ابو الحسن علی الأشعری (۳۲۴ھ/ ۹۳۶ء)۔ مقالات الاسلاميين و إختلاف المصلين۔ مصر: مکتبۃ النہضۃ المصریۃ۔

۵۱۔ **ابو داود**، سلیمان بن اشعث سجستانی (۲۰۲۔۲۷۵ھ/ ۸۱۷۔۸۸۹ء)۔ السنن۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۴ء۔

۵۲۔ **ابو داود**، سلیمان بن اشعث سجستانی (۲۰۲۔۲۷۵ھ/ ۸۱۷۔۸۸۹ء)۔ السنن۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۵۳۔ **ابو طالب القاضی**۔ علل الترمذی الکبیر۔ بیروت، لبنان: عالم الکتب، مکتبہ النھضہ العربیہ، ۱۴۰۹ھ۔

۵۴۔ **ابوعوانہ**، یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم بن زید نیشاپوری (۲۳۰۔۳۱۶ھ/ ۸۴۵۔ ۹۲۸ء)۔ المسند۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۹۹۸ء۔

۵۵۔ **ابونعیم**، احمد بن عبد اللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران اصبہانی (۳۳۶۔ ۴۳۰ھ/ ۹۴۸۔۱۰۳۸ء)۔ حلیۃ الاولیاء و طبقات الاصفیاء۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء۔

۵۶۔ **ابونعیم**، احمد بن عبد اللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران اصبہانی (۳۳۶۔ ۴۳۰ھ/ ۹۴۸۔۱۰۳۸ء)۔ **المسند المستخرج علی صحیح مسلم**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۶ء۔

۵۷۔ **ابونعیم**، احمد بن عبد اللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران اصبہانی (۳۳۶۔ ۴۳۰ھ/ ۹۴۸۔۱۰۳۸ء)۔ **مسند الامام ابی حنیفہ**۔ ریاض، سعودی عرب: مکتبۃ الکوثر، ۱۴۱۵ھ۔

۵۸۔ **ابویعلی**، احمد بن علی بن مثنی بن یحیی بن عیسیٰ بن ہلال موصلی تمیمی (۲۱۰۔۳۰۷ھ/ ۸۲۵۔۹۱۹ء)۔ **المسند**۔ دمشق، شام: دار المأمون للتراث، ۱۴۰۴ھ/ ۱۹۸۴ء۔

۵۹۔ **ابویعلی**، احمد بن علی بن مثنی بن یحیٰ بن عیسیٰ بن ہلال موصلی تمیمی (۲۱۰۔۳۰۷ھ/ ۸۲۵۔۹۱۹ء)۔ **المعجم**۔ فیصل آباد، پاکستان: ادارۃ العلوم والاثریہ، ۱۴۰۷ھ۔

۶۰۔ **احمد بن حنبل**، ابو عبد اللہ بن محمد (۱۶۴۔۲۴۱ھ/ ۷۸۰۔۸۵۵ء)۔ **فضائل الصحابۃ**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ۔

۶۱۔ **احمد بن حنبل**، ابو عبد اللہ بن محمد (۱۶۴۔۲۴۱ھ/ ۷۸۰۔۸۵۵ء)۔ **المسند**۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء۔

۶۲۔ **احمد بن حنبل**، ابو عبد اللہ بن محمد (۱۶۴۔۲۴۱ھ/ ۷۸۰۔۸۵۵ء)۔ **الرّد علیٰ الجهمیة و الزّنادقة**۔ الریاض، سعودی عرب: اِدارات البحوث العلمیۃ والإفتاء و الدعوۃ و الإرشاد۔

۶۳۔ **أزدی**، ربیع بن حبیب بن عمر بصری۔ **الجامع الصحیح مسند الامام الربیع بن حبیب**۔ بیروت، لبنان: دار الحکمۃ، ۱۴۱۵ھ۔

۶۴۔ **اِسماعیل حقی**، علامہ اِسماعیل حقی حنفیؒ (۱۱۳۷ھ)۔ **تفسیر روح البیان**۔ کوئٹہ، پاکستان: مکتبۂ اِسلامیہ کوئٹہ۔

۶۵۔ **باقری،** الشیخ جعفر محمد علی الباقری۔ **البدعة۔** قم، ایران: رابطة الثقافة والعلاقات الإسلامية، ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۶ء۔

۶۶۔ **بخاری،** ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ (۱۹۴۔۲۵۶ھ/ ۸۱۰۔ ۸۷۰ء)۔ **الصحیح۔** بیروت، لبنان + دمشق، شام: دار القلم، ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء۔

۶۷۔ **برکتی،** محمد بن عمیم الاحسان المجددی۔ **قواعد الفقه۔** کراچی، پاکستان، الصدف پبلشرز، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۶ء۔

۶۸۔ **بزار،** ابو بکر احمد بن عمرو بن عبد الخالق بصری (۲۱۰۔۲۹۲ھ/ ۸۲۵۔۹۰۵ء)۔ **المسند۔** بیروت، لبنان: ۱۴۰۹ھ۔

۶۹۔ **بلاذری،** احمد بن یحیی بن جابر البلازری (۲۷۹ھ)۔ **فتوح البلدان۔** بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۳ھ۔

۷۰۔ **بیہقی،** ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/ ۹۹۴۔ ۱۰۶۶ء)۔ **السنن الکبریٰ۔** مکہ مکرمہ، سعودی عرب: مکتبہ دار الباز، ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۴ء۔

۷۱۔ **بیہقی،** ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/ ۹۹۴۔ ۱۰۶۶ء)۔ **کتاب الاعتقاد۔** بیروت، لبنان: دار الآفاق الجدید، ۱۴۰۱ھ۔

۷۲۔ **بیہقی،** ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/ ۹۹۴۔ ۱۰۶۶ء)۔ **المدخل اِلی السنن الکبریٰ۔** الکویت، دار الخلفاء للکتاب الاسلامی، ۱۹۹۸ء۔

۷۳۔ **بیہقی،** ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/ ۹۹۴۔ ۱۰۶۶ء)۔ **شُعَبُ الایمان۔** بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۰ھ/ ۱۹۹۰ء۔

۷۴۔ **ترمذی،** ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسی بن ضحاک سلمی (۲۱۰۔۲۷۹ھ/

۸۲۵۔ ۸۹۲ء)۔ الجامع الصحیح۔ بیروت، لبنان: دار الغرب الاسلامی، ۱۹۹۸ء۔

۷۵۔ **ترمذی**، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ بن ضحاک سلمی (۲۱۰۔۲۷۹ھ/ ۸۲۵۔۸۹۲ء)۔ الجامع الصحیح۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۷۶۔ **ثعالبی**، ابو منصور عبدالملک بن محمد بن اسماعیل الثعالبی (۳۵۰۔۴۲۹ھ)۔ ثمار القلوب فی المضاف والمنسوب۔ القاہرہ، دار المعارف، ۱۹۶۵ء۔

۷۷۔ **جرجانی**، علی بن محمد بن علی، سید شریف (۷۴۰۔ ۸۱۶ھ)۔ التعریفات۔ کراچی، پاکستان: مکتبہ حمادیہ، ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء۔

۷۸۔ **جصاص**، أحمد بن علی الرازی ابو بکر (۳۰۵۔۳۷۰ھ)۔ أحکام القرآن۔ بیروت، لبنان: دار إحیاء التراث، ۱۴۰۵ھ۔

۷۹۔ **جوہری**، اسماعیل بن حماد الجوہری۔ الصحاح فی اللغة والعلوم۔ بیروت، دار الحضارة العربیة۔

۸۰۔ **جوینی**، ابو المعالی عبد الملک بن عبداللہ بن یوسف (۴۷۸ھ)۔ البرہان فی أُصول الفقه۔ المنصورہ، مصر: مطبع الوفاء، ۱۴۱۸ھ

۸۱۔ **حارث**، الحارث بن أبی أسامة/ الحافظ نور الدین الہیثمی (۱۸۶۔۲۸۳ھ)۔ مسند الحارث (زوائد الهيثمی)۔ المدینة المنورة، مرکز خدمة السنه والسیرة النبویہ، ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۲ء۔

۸۲۔ **حاکم**، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد (۳۲۱۔۴۰۵ھ/۹۳۳۔۱۰۱۴ء)۔ المستدرک علی الصحیحین۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۰ء۔

۸۳۔ **حاکم**، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد (۳۲۱۔۴۰۵ھ/۹۳۳۔۱۰۱۴ء)۔

المستدرک علی الصحیحین۔ مکہ، سعودی عرب: دارالباز للنشر و التوزیع۔

۸۴۔ **حسینی**، ابراہیم بن محمد (۱۰۵۴-۱۱۲۰ھ)۔ البیان و التعریف۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۱ھ۔

۸۵۔ **حصکفی**، علامہ الشیخ علاء الدین الحصکفی (۱۰۸۸ھ۔۱۶۷۷ء)۔ در مختار علی ھامش الرد۔ کراچی، پاکستان: ایچ ایم سعید کمپنی۔

۸۶۔ **حلبی**، علی بن برہان الدین (۱۴۰۴ھ)۔ السیرۃ الحلبیۃ/ انسان العیون۔ بیروت، لبنان، دارالمعرفہ، ۱۴۰۰ھ۔

۸۷۔ **حلبی**، علی بن برہان الدین (۱۴۰۴ھ)۔ غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی۔ دہلی، انڈیا، مطبع مجتبائی۔

۸۸۔ **حموی**، ابو عبداللہ یاقوت بن عبداللہ (متوفی: ۶۲۶ھ)۔ المعجم البلدان۔ بیروت، لبنان: دار الفکر۔

۸۹۔ **حمیدی**، ابو بکر عبد اللہ بن زبیر (م ۲۱۹ھ/ ۸۳۴ء)۔ المسند۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ + قاہرہ، مصر: مکتبۃ المتنبی۔

۹۰۔ **خطیب بغدادی**، ابو بکر احمد بن علی بن ثابت بن احمد بن مہدی بن ثابت (۳۹۲۔ ۴۶۳ھ/ ۱۰۰۲۔۱۰۷۱ء)۔ تاریخ بغداد۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۹۱۔ **خطیب بغدادی**، ابو بکر احمد بن علی بن ثابت بن احمد بن مہدی بن ثابت (۳۹۲۔ ۴۶۳ھ/ ۱۰۰۲۔۱۰۷۱ء)۔ موضع اوھام الجمع والتفریق۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۹۲۔ **دارمی**، ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمٰن (۱۸۱۔۲۵۵ھ/ ۷۹۷۔۸۶۹ء)۔ السنن۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ۔

۹۳۔ **دارقطنی**، ابو الحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی بن مسعود بن نعمان (۳۰۶۔

۳۸۵ھ/ ۹۱۸-۹۹۵ء)۔ السنن۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۳۸۶ھ/ ۱۹۶۶ء۔

۹۴۔ **دار قطنی**، ابو الحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی بن مسعود بن نعمان (۳۰۶-۳۸۵ھ/ ۹۱۸-۹۹۵ء)۔ علل دار قطنی۔ الریاض، سعودی عرب، دار الطیبہ، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۹۵۔ **دیلمی**، ابو شجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ بن فناخسرو ہمذانی (۴۴۵-۵۰۹ھ/ ۱۰۵۳-۱۱۱۵ء)۔ الفردوس بمأثور الخطاب۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۸۶ء۔

۹۶۔ **ذہبی**، شمس الدین محمد بن احمد (۶۷۳-۷۴۸ھ)۔ تاریخ الاسلام۔ القاہرۃ، مصر: مطبعۃ المدنی۔

۹۷۔ **ذہبی**، شمس الدین محمد بن احمد (۶۷۳-۷۴۸ھ)۔ سیر أعلام النبلاء۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۱۳ھ۔

۹۸۔ **ذہبی**، شمس الدین محمد بن احمد (۶۷۳-۷۴۸ھ)۔ میزان الاعتدال فی نقد الرجال۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۵ء۔

۹۹۔ **ذہبی**، شمس الدین محمد بن احمد (۶۷۳-۷۴۸ھ)۔ العبر فی خبر من غبر۔ مکۃ المکرّمۃ، سعودی عرب: دار الباز للنشر و التوزیع، ۱۴۰۵ھ۔

۱۰۰۔ **رازی**، محمد بن عمر بن حسن بن حسین بن علی تیمی (۵۴۳-۶۰۶ھ/ ۱۱۴۹-۱۲۱۰ء)۔ التفسیر الکبیر۔ تہران، ایران: دار الکتب العلمیہ۔

۱۰۱۔ **رامہر مزی**، ابو الحسن حسن بن عبد الرحمٰن بن خلاد (۲۶۰-۳۶۰ھ)۔ المحدث الفاصل بین الراوی و الواعی۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۰۴ھ۔

۱۰۲۔ **رامہر مزی**، ابو الحسن حسن بن عبد الرحمٰن بن خلاد (۲۶۰-۳۶۰ھ)۔ امثال الحدیث۔ بیروت، لبنان: مؤسسہ الکتب الثقافیہ، ۱۴۰۹ھ۔

۱۰۳۔ **رحیلی**، الدکتور ابراہیم بن عامر۔ موقف أهل السنة والجماعة من أهل الاهواء والبدع۔ مدینہ منورہ، سعودی عرب: مکتبۃ العلوم والحکم ۱۴۲۲ھ

۱۰۴۔ **رویانی**، ابو بکر فی بن ہارون (م ۳۰۷ھ)۔ المسند۔ قاہرہ، مصر: مؤسسہ قرطبہ، ۱۴۱۶ھ۔

۱۰۵۔ **زبیدی**، امام محبّ الدین ابو فیض السید محمد مرتضی الحسینی الواسطی الحنفی (۱۱۴۵-۱۲۰۵ھ/۱۷۳۲-۱۷۹۱ء)۔ تاج العروس من جواهر القاموس۔ بیروت، لبنان: دارالفکر، ۱۹۹۴ء/۱۴۱۴ھ۔

۱۰۶۔ **زرقانی**، ابو عبد اللہ محمد بن عبد الباقی بن یوسف بن احمد بن علوان مصری ازہری مالکی (۱۰۵۵۔۱۱۲۲ھ/۱۶۴۵۔۱۷۱۰ء)۔ شرح الزرقانی علی مؤطا الإمام مالک۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۱ھ۔

۱۰۷۔ **زرکشی**، علامہ بدر الدین محمد بن عبد اللہ (۷۹۴ھ)۔ المنثور فی القواعد۔ کویت: وزارۃ الاوقاف، ۱۴۰۵ھ۔

۱۰۸۔ **زمخشری**، امام جاراللہ محمد بن عمر بن محمد خوارزمی (۴۶۷۔۵۳۸ھ)۔ الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل۔ قاھرہ، مصر: ۱۳۷۳ھ/ ۱۹۵۳ء۔

۱۰۹۔ **زیلعی**، ابو محمد عبداللہ بن یوسف حنفی (م ۷۶۲ھ)۔ نصب الرایة لأحادیث الهدایه۔ مصر: دارالحدیث، ۱۳۵۷ھ۔

۱۱۰۔ **سخاوی**، الشیخ شمس الدین محمد عبد الرحمٰن (۹۰۲ھ)۔ القول البدیع فی الصلاۃ علی الحبیب الشفیع۔ مدینہ منورہ، سعودی عرب: المکتبۃ العلمیہ، ۱۳۹۷ھ/ ۱۹۷۷ء۔

۱۱۱۔ **سخاوی**، الشیخ شمس الدین محمد عبدالرحمٰن (۹۰۲ھ)۔ فتح المغیث شرح الفیة الحدیث۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ، ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء۔

۱۱۲۔ **سدوسی**، یعقوب بن شیبۃ بن الصلت ابو یوسف (۱۸۲۔۲۶۸ھ)۔ **مسند عمر بن الخطاب**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب الثقافیہ،۱۴۰۵ھ۔

۱۱۳۔ **سرخسی**، امام شمس الدین (۴۸۳ھ)۔ **کتاب المبسوط**۔ بیروت، لبنان: دارالمعرفہ، ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء۔

۱۱۴۔ **سنوسی**، علامہ محمد بن محمد سنوسی مالکی (۸۹۵ھ)۔ **مکمل اِکمال المعلم**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۱۱۵۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹۔۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵۔۱۵۰۵ء)۔ **الجامع الصغیر فی أحادیث البشیر النذیر**۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ۔

۱۱۶۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹۔۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵۔۱۵۰۵ء)۔ **تاریخ الخلفاء**۔ بغداد، عراق: مکتبۃ الشرق الجدید۔

۱۱۷۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹۔۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵۔۱۵۰۵ء)۔ **الإشباہ والنظائر**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۹ھ۔

۱۱۸۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹۔۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵۔۱۵۰۵ء)۔ **شرح السنن ابن ماجہ**۔ کراچی، پاکستان: قدیمی کتب خانہ۔

۱۱۹۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹۔۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵۔۱۵۰۵ء)۔ **تدریب الراوی فی شرح تقریب النووی**۔ سعودی عرب: مکتبہ الریاض الحدیثۃ

۱۲۰۔ **سیوطی**، امام جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمان بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان السیوطی، (۸۴۹-۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵-۱۵۰۵ء)۔ **الدیباج علی صحیح مسلم بن الحجاج**۔ بیروت، لبنان: شرکۃ دار الأرقم بن ابی الأرقم۔

۱۲۱۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹۔۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵۔۱۵۰۵ء)۔ **الحاوی للفتاوی**۔ لائلپور، پاکستان: مکتبہ نوریہ رضویہ۔

۱۲۲۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹۔۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵۔۱۵۰۵ء)۔ **حسن المقصد فی عمل المولد**۔ بیروت لبنان: دارالکتب العلمیۃ (۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ھ)۔

۱۲۳۔ **سیوطی**، جلال الدین ابوالفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹۔۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵۔ ۱۵۰۵ء)۔ **تنویر الحوالک شرح موطا مالک**۔ مصر: مکتبہ التجاریہ الکبری، ۱۳۸۹ھ/ ۱۹۶۹ء۔

۱۲۴۔ **سہارنپوری**، احمد علی سہارنپوری (۱۲۹۷ھ)۔ **حاشیہ بخاری**۔ کراچی، پاکستان: قدیمی کتب خانہ، ۱۳۸۱ھ/ ۱۹۶۱ء۔

۱۲۵۔ **شاشی**، ابوسعید ہیثم بن کلیب بن شریح (م ۳۳۵ھ/ ۹۴۶ء)۔ **المسند**۔ مدینہ منورہ، سعودی عرب: مکتبۃ العلوم والحکم، ۱۴۱۰ھ۔

۱۲۶۔ **شاطبی**، ابراہیم بن موسیٰ اللخمی الشاطبی (۹۰ھ)۔ **الاعتصام**۔ بیروت، لبنان: دارالمعرفۃ، ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۲ء۔

۱۲۷۔ **شاطبی**، ابراہیم بن موسیٰ اللخمی الشاطبی (۹۰ھ)۔ **الموافقات فی اصول الشریعہ**۔ قاھرہ، مصر مطبع المدنی، ۱۹۶۹ء۔

۱۲۸۔ **شاہ ولی اللہ**، محدث دہلوی، (متوفی: ۱۱۷۴ھ/ ۱۷۶۲ء)۔ **ازالۃ الخفاء عن**

خلافة الخلفاء۔قرآن محل، مقابل مولوی مسافر خانہ، کراچی۔

۱۲۹۔ **شبیر احمد عثمانی**، (۱۳۶۹ھ/ ۱۹۴۹ء)۔ فتح الملهم بشرح صحيح مسلم۔ کراچی، پاکستان: مکتبہ رشیدیہ۔

۱۲۹۔ **شربيني**، الشيخ محمد الشربيني الخطيب ،(۹۷۷ھ)۔ مغني المحتاج الى معرفة معانى الفاظ المنهاج۔ بیروت ،لبنان: دار إحياء التراث العربي، ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۲ء۔

۱۳۰۔ **شروانی**، الشيخ عبدالحميد۔ حواشي الشرواني۔ دار صادر۔

۱۳۱۔ **شعرانی**، ابو العمران عبدالوهاب بن احمد بن علی ال الشافعي المصری المعروف بالشعرانی، (۸۹۸۔۹۷۳ھ)۔ اليواقيت و الجواهر في بيان عقائد الاكابر۔ بیروت، لبنان: دار الكتب العلمیہ ،۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔

۱۳۲۔ **شمس الحق**، محمد شمس الحق عظیم آبادی أبو طيب۔ عون المعبود شرح سنن ابی داؤد۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ ، ۱۴۱۵ھ۔

۱۳۳۔ **شوکانی**، محمد بن علی بن محمد (۱۱۷۳۔۱۲۵۰ھ/ ۱۷۶۰۔۱۸۳۴ء)۔ نيل الاوطار شرح منتقى الاخبار۔ بیروت، لبنان: دار الفكر، ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء۔

۱۳۴۔ **شهرستانی**، ابو الفتح محمد بن عبدالکریم بن ابی بکر أحمد (۴۷۹۔۵۴۸ھ)۔ الملل والنحل۔ بیروت، لبنان: دار المعرفۃ ، ۲۰۰۱ء۔

۱۳۵۔ **شیبانی**، ابوبکر احمد بن عمرو بن ضحاک بن مخلد (۲۰۶۔۲۸۷ھ/ ۸۲۲۔۹۰۰ء)۔ الآحاد و المثاني۔ ریاض، سعودی عرب: دار الرایہ، ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۱ء۔

۱۳۶۔ **صالحی شامی**، ابو عبد اللہ محمد بن یوسف بن علی بن یوسف شامی (۹۴۲ھ/ ۱۵۳۶ء)۔ سبل الهدىٰ والرشاد۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۳ء۔

۱۳۷۔ **صنعانی**، محمد بن اسماعیل امیر (۷۷۳۔۸۵۲ھ)۔ **سبل السلام شرح بلوغ المرام**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی، ۱۳۷۹ھ۔

۱۳۸۔ **طاہر القادری**، ڈاکٹر محمد۔ **عرفان القرآن**۔ لاہور، پاکستان: منہاج القرآن پبلی کیشنز، ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ء۔

۱۳۹۔ **طاہر پٹنی**، علامہ محمد طاہر پٹنی (۹۸۶ھ)۔ **مجمع بحار الانوار**۔ لکھنؤ۔ انڈیا: مطبع منشی نولکشور۔

۱۴۰۔ **طبرانی**، سلیمان بن احمد (۲۶۰۔۳۶۰ھ/ ۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ **مسند الشامیین**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۴ء۔

۱۴۱۔ **طبرانی**، سلیمان بن احمد (۲۶۰۔۳۶۰ھ/ ۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ **المعجم الاوسط**۔ ریاض، سعودی عرب: مکتبۃ المعارف، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۱۴۲۔ **طبرانی**، سلیمان بن احمد (۲۶۰۔۳۶۰ھ/ ۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ **المعجم الکبیر**۔ موصل، عراق: مکتبۃ العلوم والحکم، ۱۴۰۴ھ/ ۱۹۸۳ء۔

۱۴۳۔ **طبری**، ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید (۲۲۴۔۳۱۰ھ/ ۸۳۹۔۹۲۳ء)۔ **جامع البیان فی تفسیر القرآن**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء۔

۱۴۴۔ **طبری**، ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید (۲۲۴۔۳۱۰ھ/ ۸۳۹۔۹۲۳ء)۔ **تاریخ الامم والملوک**۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ، ۱۴۰۷ھ۔

۱۴۵۔ **طبری**، ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید (۲۲۴۔۳۱۰ھ/ ۸۳۹۔۹۲۳ء)۔ **تہذیب الآثار**۔ مصر، القاہرہ: مطبعۃ المدنی۔

۱۴۶۔ **طحاوی**، ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ بن سلمہ بن عبد الملک بن سلمہ (۲۲۹۔۳۲۱ھ/ ۸۵۳۔۹۳۳ء)۔ **شرح معانی الآثار**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۳۹۹ھ۔

۱۴۷۔ **طحطاوی**، احمد بن محمد طحطاوی (۱۲۳۱ھ)۔ **حاشیہ طحطاوی علی مراقی**

الفلاح۔ مصر: مطبع مصطفیٰ البابی، ۱۳۵۶ھ۔

۱۴۸۔ **طیالسی**، ابو داؤد سلیمان بن داؤد جارود (۱۳۳۔۲۰۴ھ/ ۷۵۱۔۸۱۹ء)۔ المسند۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ۔

۱۴۹۔ **عبدالحق محدث دہلوی** (۹۵۸۔۱۰۵۲ھ/ ۱۵۵۱۔۱۶۴۲ء)۔ أشعة اللمعات۔ سکھر، پاکستان: مکتبہ نوریہ رضویہ، ۱۹۷۶ء۔

۱۵۰۔ **عبدالحیٔ احمد العکری الدمشقی**، (۱۰۸۹ھ)۔ شذرات الذھب فی أخبار من ذھب۔ بیروت، لبنان،۔ دار الکتب العلمیہ۔

۱۵۱۔ **عبد الرزاق**، ابوبکر بن ہمام بن نافع صنعانی (۱۲۶۔۲۱۱ھ/ ۷۴۴۔۸۲۶ء)۔ المصنف۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۴۰۳ھ۔

۱۵۲۔ **عبدالقادر جیلانی**، ابو صالح شیخ عبدالقادر بن موسیٰ بن عبداللہ الجیلانی البغدادی (۴۷۰۔۵۶۱ھ)۔ غنیة الطالبین۔ بیروت، لبنان: المکتبۃ الثقافیۃ۔

۱۵۳۔ **عبد القاہر بغدادی**۔ الفرق بین الفرق۔ بیروت، لبنان: دارالمعرفۃ

۱۵۴۔ **عجلونی**، ابو الفداء اسماعیل بن محمد بن عبد الہادی بن عبد الغنی جراحی (۱۰۸۷۔ ۱۱۶۲ھ/ ۱۶۷۶۔۱۷۴۹ء)۔ کشف الخفا و مزیل الإلباس عما اشتھر من الأحادیث علی ألسنة الناس۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۵ھ۔

۱۵۵۔ **عسقلانی**، احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲۔ ۱۴۴۹ء)۔ الاصابہ فی تمییز الصحابہ۔ بیروت، لبنان: دار الجیل، ۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۲ء۔

۱۵۶۔ **عسقلانی**، احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲۔ ۱۴۴۹ء)۔ تلخیص الحبیر فی تخریج أحادیث الرافعی الکبیر۔ المدینۃ المنورۃ، سعودیہ: ۱۳۸۴ھ/ ۱۹۶۴ء۔

۱۵۷۔ **عسقلانی**، احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/۱۳۷۲۔۱۴۴۹ء)۔ **فتح الباری بشرح صحیح البخاری**۔ لاہور، پاکستان: دار نشر الکتب الاسلامیہ، ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء۔

۱۵۸۔ **عسقلانی**، احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲۔۱۴۴۹ء)۔ **تغلیق التعلیق علی صحیح البخاری**۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی + عمان + اُردن: دارعمار، ۱۴۰۵ھ۔

۱۵۹۔ **عسقلانی**، احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲۔۱۴۴۹ء)۔ **لسان المیزان**۔ بیروت، لبنان، مؤسسۃ الأعلمی المطبوعات، ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۶ء۔

۱۶۰۔ **عسقلانی**، احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲۔۱۴۴۹ء)۔ **تھذیب التھذیب**۔ بیروت، لبنان: دارالفکر، ۱۴۰۴ھ/ ۱۹۸۴ء۔

۱۶۱۔ **علوی المالکی**، السید محمد بن علوی المالکی الحسنی (۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء)۔ **مفاھیم یجب ان تصحح**۔ ابوظہبی: دار الفجر، ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء۔

۱۶۲۔ **عینی**، بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین بن یوسف بن محمود (۷۶۲۔۸۵۵ھ/ ۱۳۶۱۔۱۴۵۱ء)۔ **عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء۔

۱۶۳۔ **غامدی**، سعید بن ناصر الغامدی۔ **حقیقۃ البدعۃ و أحکامھا**۔ ریاض، سعودی عرب: مکتبۃ الرشید، ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۰ء۔

۱۶۴۔ **غزالی**، حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد الغزالی (۵۰۵ھ)۔ **إحیاء علوم الدین**۔ مصر: مطبعہ عثمانیہ، ۱۳۵۲ھ/ ۱۹۳۳ء۔

۱۶۵۔ **فراہیدی**، خلیل بن اَحمد (۷۸۶ھ)۔ کتاب العین۔ دارالرشید للنشر۔

۱۶۶۔ **قرافی**، علامہ شہاب الدین ابو العباس احمد بن ادریس بن عبدالرحمٰن الصنہاجی (۶۸۴ھ)۔ انوار البروق فی انوارالفروق۔ بیروت، لبنان: دارالمعرفۃ۔

۱۶۷۔ **قرطبی**، ابوعبد اللہ محمد بن احمد بن ابو بکر بن فرح (۶۷۱ھ)۔ الجامع لأحکام القرآن والمبین لما تضمن من السنۃ وآي الفرقان۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۱۶۸۔ **قسطلانی**، ابو العباس شہاب الدین احمد بن محمد القسطلانی (۹۲۳ھ)۔ ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری۔ مصر: دارالفکر، ۱۳۰۴ھ۔

۱۶۹۔ **قضاعی**، ابوعبد اللہ محمد بن سلامہ بن جعفر بن علی بن حکمون بن ابراہیم بن محمد بن مسلم قضاعی (م ۴۵۴ھ/۱۰۶۲ء)۔ مسند الشہاب۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۶ء۔

۱۷۰۔ **کاندھلوی**، محمد زکریا الکاندھلوی (۱۳۵۱ھ/۱۴۰۲ھ)۔ أوجز المسالک الی مؤطا مالک۔ ملتان، پاکستان: ادارہ تالیفات اشرفیہ۔

۱۷۱۔ **کرمانی**، علامہ شمس الدین محمد بن یوسف بن علی الکرمانی (۷۹۶ھ)۔ الکواکب الدراری في شرح صحیح البخاری۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی، ۱۳۵۶ھ/ ۱۹۷۳ء۔

۱۷۲۔ **کنانی**، احمد بن ابی بکر بن اسماعیل (۷۶۲۔۸۴۰ھ)۔ مصباح الزجاجۃ فی زوائد ابن ماجہ۔ بیروت، لبنان: دارالعربیۃ، ۱۴۰۳ھ۔

۱۷۳۔ **لالکائی**، ھبۃ اللہ بن الحسن بن منصور (۴۱۸ھ)۔ شرح اُصول إعتقاد أھل السنہ و الجماعۃ من الکتاب والسنۃ وإجماع الصحابۃ۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۳ھ/ ۲۰۰۲ء۔

۱۷۴۔ **لوئس معلوف**، (۱۸۶۷۔۱۹۴۶ء/ ۱۲۸۳۔۱۳۶۵ھ)۔ المنجد فی اللغۃ۔

بیروت، لبنان: دارالمشرق، ۱۹۷۳ء۔

۱۷۵۔ **مالک**، ابن انس بن مالک رضی اللہ عنہ بن ابی عامر بن عمرو بن حارث اصبحی (۹۳۔۱۷۹ھ/ ۷۱۲۔۷۹۵ء)۔ الموطا۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی، ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۵ء۔

۱۷۶۔ **ماوردی**، علی بن محمد بن حبیب البصری الماوردی (۴۵۰ھ)۔ الاحکام السلطانیہ والولایات الدینیۃ۔ مصر، مکتبہ التوفیقیہ۔

۱۷۷۔ **مبارکپوری**، محمد عبدالرحمان بن عبدالرحیم ابوالعلا المبارکپوری (۱۲۸۳۔۱۳۵۳ھ)۔ تحفۃ الأحوذی بشرح جامع الترمذی۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۱۷۸۔ **محبّ طبری**، ابوجعفر احمد بن عبد اللہ بن محمد بن ابی بکر بن محمد بن ابراہیم (۶۱۵۔۶۹۴ھ/ ۱۲۱۸۔۱۲۹۵ء)۔ الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ۔ بیروت، لبنان: دار الغرب الاسلامی، ۱۹۹۶ء۔

۱۷۹۔ **مروزی**، محمد بن نصر بن الحجاج، ابوعبداللہ (۲۰۲۔۲۹۴ھ)۔ السنہ۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الکتب الثقافیہ، ۱۴۰۸ھ۔

۱۸۰۔ **مزی**، ابو الحجاج یوسف بن زکی عبد الرحمٰن بن یوسف بن عبد الملک بن یوسف بن علی (۶۵۴۔۷۴۲ھ/ ۱۲۵۶۔۱۳۴۱ء)۔ تہذیب الکمال۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء۔

۱۸۱۔ **مسلم**، ابن الحجاج قشیری (۲۰۶۔ ۲۶۱ھ/ ۸۲۱۔۸۷۵ء)۔ الصحیح۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۱۸۲۔ **مقدسی**، شیخ ضیاء الدین ابو عبد اللہ محمد بن عبد الواحد بن عبد الرحمان الحنبلی (۵۶۷۔۶۴۳ھ)۔ الاحایث المختارۃ۔ مکۃ المکرّمۃ، مکتبۃ النھضۃ، ۱۴۱۰ھ/ ۱۹۹۰ء۔

۱۸۳۔ **مقدسی**، محمد بن عبد الواحد حنبلی (م ۶۴۳ھ)۔ الاحادیث المختارہ۔ فضائل بیت

المقدس۔ شام: دارالفکر، ۱۴۰۵ھ۔

۱۸۴۔ **مقرئی**، ابوعمرو عثمان بن سعید المقرئی الدانی (۳۷۱۔۴۴۴ھ)۔ السنن الواردة فی الفتن۔ الریاض، دارالعاصمة، ۱۴۱۶ھ۔

۱۸۵۔ **ملا علی قاری**، نور الدین بن سلطان محمد ہروی حنفی (م ۱۰۱۴ھ/ ۱۶۰۶ء)۔ مرقاة المفاتیح شرح مشکوٰة المصابیح۔ بمبئی، بھارت، اصح المطابع۔

۱۸۶۔ **مناوی**، عبدالرؤف بن تاج العارفین بن علی بن زین العابدین (۹۵۲۔۱۰۳۱ھ/ ۱۵۴۵۔۱۶۲۱ء)۔ فیض القدیر شرح الجامع الصغیر۔ مصر: مکتبہ تجاریہ کبریٰ، ۱۳۵۶ھ۔

۱۸۷۔ **منذری**، ابو محمد عبد العظیم بن عبد القوی بن عبد اللہ بن سلامہ بن سعد (۵۸۱۔۶۵۶ھ/ ۱۱۸۵۔ ۱۲۵۸ء)۔ الترغیب والترھیب من الحدیث الشریف۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۷ھ۔

۱۸۸۔ **نسائی**، احمد بن شعیب النسائی (۲۱۵۔۳۰۳ھ/۸۳۰۔۹۱۵ء)۔ السنن۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ، ۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۵ء۔

۱۸۹۔ **نسائی**، احمد بن شعیب النسائی (۲۱۵۔۳۰۳ھ/۸۳۰۔۹۱۵ء)۔ السنن الکبری۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۱ء۔

۱۹۰۔ **نسائی**، احمد بن شعیب النسائی (۲۱۵۔۳۰۳ھ/۸۳۰۔۹۱۵ء)۔ عمل الیوم واللیلة۔ بیروت، لبنان: مؤسسة الرسالة، ۱۴۰۷ھ۔

۱۹۱۔ **نسفی**، امام عبداللہ بن محمود بن احمد النسفی (۷۱۰ھ)۔ مدارک التنزیل وحقائق التاویل۔ بیروت، لبنان، دار احیاء التراث العربی۔

۱۹۲۔ **نعیم بن حماد**، ابوعبداللہ المروزی (م: ۲۸۸ھ)۔ الفتن۔ قاہرہ، مصر: مکتبة التوحید، ۱۴۱۲ھ۔

۱۹۳۔ **نووی**، ابو زکریا یحیی بن شرف بن مری بن حسن بن حسین بن محمد بن جمعہ بن حزام

(۶۳۱۔۶۷۷ھ/۱۲۳۳۔۱۲۷۸ء)۔ تهذيب الاسماء واللغات۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۱۹۴۔ نووی، ابو زکریا، یحیی بن شرف بن مری بن حسن بن حسین بن محمد بن جمعہ بن حزام (۶۳۱۔۶۷۷ھ/۱۲۳۳۔۱۲۷۸ء)۔ شرح صحيح مسلم۔ کراچی، پاکستان: قدیمی کتب خانہ، ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء۔

۱۹۵۔ نیشا پوری، محمد بن عبد اللہ بن حمدویہ الحاکم ابوعبداللہ (۳۲۱۔۴۰۵ھ)۔ المدخل الی الصحیح۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۴ھ۔

۱۹۶۔ وادیاشی، عمر بن علی بن احمد الوادیاشی الاندلسی (۷۲۳۔۸۰۴ھ)۔ تحفة المحتاج الی ادلة المنهاج۔ مکۃ المکرّمۃ، دارحراء، ۱۴۰۶ھ۔

۱۹۷۔ وشتانی، امام ابوعبد اللہ محمد خلفۃ الوشتانی (۸۲۷ھ أو ۸۲۸ھ)۔ إكمال المعلم شرح صحيح مسلم۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیۃ۔

۱۹۸۔ وحید الزمان، (۱۳۲۷ھ)۔ هدية المهدى۔ فیصل آباد، پاکستان: چشتی کتب خانہ، ۱۹۸۷ء۔

۱۹۹۔ ہیثمی، نور الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر بن سلیمان (۷۳۵۔۸۰۷ھ/ ۱۳۳۵۔۱۴۰۵ء)۔ مجمع الزوائد و منبع الفوئد۔ قاہرہ، مصر: دار الریان للتراث + بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء۔

۲۰۰۔ ہیثمی، نورالدین ابوالحسن علی بن ابی بکر بن سلیمان (۷۳۵۔۸۰۷ھ/ ۱۳۳۵۔ ۱۴۰۵ء)۔ موارد الظمآن اِلی زوائد ابن حبان۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ۔

۲۰۱۔ ہندی، حسام الدین، علاء الدین علی متقی (م ۹۷۵ھ)۔ كنز العمال۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۳۹۹/ ۱۹۷۹۔

۲۰۲۔ یعقوبی، احمد بن ابی یعقوب بن جعفر بن وہب ابن واضح الکاتب العباسی (۲۸۷ھ/ ۸۹۷ء)۔ التاریخ۔ بیروت، لبنان: دارصادر۔